لہٗ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۱۰

ربیع الاول ۱۳۸۶ھ

جولائی ۱۹۶۶ء

سالانہ چھ روپے

فی پرچہ پچاس پیسے

غیر ممالک سالانہ ۱۶ شلنگ

کتابت : اصغر حسن

منظور شدہ محکمہ تعلیم۔ سرکلر نمبر ش ۳۴/۲۵۳۳۲ پی۔ ایم۔ بی۔ این۔ (مورخہ ۱۵/۳/۶۶)

اس شمارے میں

نقشِ آغاز

مقالات

مسائلِ علمیہ

ہمارے اسلاف

اخبارِ عالم

تلخیص و انتخاب

تنقید اور محاسبہ

متفرقات

...الحق (استاذ دار العلوم حقانیہ) طابع و ناشر نے
...نور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق
...دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وہ ملک جو ایک طویل اور پیہم جدوجہد اور
انمٹ قربانیوں کے بعد حاصل کیا گیا، جس کی خاطر لاکھوں
مسلمانوں کو آگ اور خون کے طوفانوں سے گذرنا پڑا۔
ہزاروں عصمتوں کے چراغ بجھے اور لاکھوں معصوم
زندگیاں اغیار کے ہاتھوں لٹ گئیں۔ غرض مسلمان
زندگی کی ہر متاع اور عمر بھر کی پونجی اسکی راہ میں لٹا کر بھی مسرور و شاداں تھے کہ ؎

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم　　　شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

اب اگر کوئی بدبخت اور ناعاقبت اندیش اٹھے اور اسکی بنیادوں کو ہی ڈائنامیٹ کرنے،
اسکی دیواروں میں شگاف ڈالے، تو کیا اس کے اس غدارانہ جرم کو لمحہ بھر برداشت کیا جائیگا؟
کیا ایسا شخص قومی غدار کہلانے کا مستحق نہ ہوگا۔ جو اس مضبوط حصار میں نقب لگا کر قومی خودکشی
کا مجرم بنے؟

امتِ مسلمہ کا وہ مضبوط اور آہنی حصار جس کے استحکام پر نہ صرف ہماری بلکہ رہتی
دنیا تک سسکتی ہوئی انسانیت کا مدار ہے۔ اور جسے ہم اسلام اور ملتِ حنیفیہ کے پیارے
نام سے تعبیر کرتے ہیں، کی خشتِ اوّل معمارِ اوّل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں
رکھی گئی، اور تکمیل نوامیس فطرت کے سب سے بڑے علمبردار اور کامل و اکمل ہستی نبی آخر الزمان
صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ہوئی، آپ نے دن کا سکھ، اور رات کا چین اس راہ میں قربان کر
دیا۔ اس گھر کی تکمیل میں وہ مصیبتیں جھیلیں جو مخلوق میں سے کسی نے اس سے پہلے نہ سہیں —
اوذیت فی اللہ مالم یوذ احد او کما قال۔ اس کے معصوم اور پاکیزہ دل کی دھڑکن اور
ہر آرزو اس "حصار" کے استحکام اور مضبوطی سے وابستہ رہی کہ اب قیامت تک آنے
والی مخلوق کی حقیقی فلاح و بقا اس "خدائی قلعہ" کی مضبوطی سے وابستہ تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے اپنے مقدس صحابہ سمیت اپنی زندگی، مال و جان، عزت و آبرو، گھر بار، ملک و وطن،
غرض سب کچھ اسی "اسلام" کی حفاظت و اشاعت اور مدافعت میں قربان کر دیا اور جس
وقت وہ ذاتِ قدسی صفات اس عالمِ خاکی سے روپوش ہوئی تو دین کا یہ "قصر" ایک حسین و جمیل

کامل و مکمل مرقع کی شکل میں دنیا کے سامنے موجود تھا۔ اس میں ذرہ بھر خامی نہ تھی جسکی تکمیل و تعمیر کے لئے کسی دوسرے معمار کی ضرورت پڑے۔

ہر عمارت ستونوں، چھتوں اور در و دیوار سے عبارت اور اپنی مضبوط اور راسخ بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ اسی طرح اسلام کی عظیم الشان عمارت بھی ان بنیادوں اور ستونوں پر قائم ہے۔ جسے ہم ارکان خمسہ (شہادتین، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج) کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اور جسے خود حضور اقدسؐ نے دعائم الاسلام (اسلام کے ستون) سے تعبیر کیا۔ (ملاحظہ ہو عمدۃ القاری جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ بحوالہ مصنفہ عبدالرزاق) اگر ان بنیادی ستونوں میں سے ایک کو ہٹا دیا جائے یا ذرا سا ٹیڑھا کر دیا جائے تو ساری عمارت دھڑام سے گر جائے گی۔ جو بالآخر اس کے تمام مکینوں کی تباہی اور ہلاکت پر منتج ہو گی۔ اگر کوئی خرد باختہ شخص اس عظیم عمارت کی بنیادوں پہ ضرب لگاتا اور اسے اپنی جگہ سے ہلاتا ہے۔ تو عاقبت اندیشی یہی ہے کہ اس پناہ گاہ کے تمام باشندے اٹھ کر ان ہاتھوں کو توڑ دیں جو پوری ملت کے نقصان اور تباہی کا سبب بن رہے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ تمام ہاتھ بھی شل کر دئے جائیں جو پس پردہ اس "ملی چور" کی پشت پناہی کر رہے ہوں۔ یہ ایک بڑی اور سچی حقیقت ہے جو اسلام اور دینِ محمدی کی اہمیت، اسکی عظمت اور نزاکت کے بارہ میں خود حضور اقدسؐ نے ایک سیدھی سادھی مثال سے ذہن نشین کرا دی اور بار بار فرمایا۔ جسے بے شمار صحابہ نے مختلف طرق سے نقل کیا۔

بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان۔

(عن عبداللہ بن عمرؓ۔ بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ نسائی)

اسلام کا یہ عظیم الشان کارخانہ پانچ ستونوں پر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسالت محمدی کا اقرار۔ نماز ادا کرنا۔ زکوٰۃ دینا۔ حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا ——

کہیں ان ارکان کو دعائم الاسلام کہا گیا اور کہیں عماد کے لفظ سے ان کی اساسی حیثیت پر روشنی ڈالی گئی۔ خود قرآن مجید کے اکثر مضامین احکام و اوامر، نواہی قصص و آداب امثال و مواعظ کا مرکزی نقطہ بھی یہی ارکان پنجگانہ ہیں کہ ان پہ دین و آخرت اور غیب کا سارا عالم استوار ہے۔

پھر نہ صرف یہ کہ اس قصرِ دین کی بقاء ان ارکان کی مجموعی حیثیت پر موقوف ہے۔ بلکہ یہ سارے ارکان آپس میں ایسے مربوط اور وابستہ ہیں۔ کہ اگر ان میں ایک نہ ہو تو باقی تمام ارکان میں اضمحلال رونما ہو۔ اور پوری عمارت کا توازن برقرار نہ رہ سکے اگر ان میں سے ایک کی ضرورت و اہمیت بھی محسوس نہ ہو یا اسے فالتو سمجھ لیا جائے یا اسکی ہیئتِ اساسی میں تبدیلی کی سعی کی جائے خواہ وہ ایمان باللہ ہو یا نماز زکوٰۃ ہو یا حج و روزہ تو ایسا شخص اس پوری عمارت کا دشمن ہے کیونکہ اس قصرِ متین کا ہر جزء دیگر اجزاء و ارکان کو سنبھالے ہوئے ہے جس معمار نے ہدایاتِ ربانی کی روشنی میں یہ عمارت تیار کی اور اس کا نقشہ بنایا، اس نے ان ارکان کا یہ باہمی ربط و تعلق اور اسکی اہمیت بھی ان الفاظ میں جتلا دی کہ :

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعٌ فرضھنّ اللہ فی الاسلام فمن جاءَ بثلاثٍ لم یُغنین عنہ شیئاً حتی یأتی بھنّ جمیعاً الصلوٰۃ والزکوٰۃ وصیامُ رمضان و حج البیت ۔ (ترجمان السنۃ بحوالہ احمد و طبرانی)

(ایمان لانے کے بعد) چار چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام میں فرض قرار دیا ہے نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ اور بیت اللہ کا حج جو شخص ان میں سے تین بھی ادا کرے وہ اس کے کام نہیں آسکتیں جب تک سب کے سب نہ کرے۔

ان چاروں ارکان میں زکوٰۃ بھی اتنی ہی اہم ہے جتنی کہ نماز (اور اس وجہ سے قرآن نے ہر جگہ اقیموا الصلوٰۃ کے بعد وآتوا الزکوٰۃ کا حکم دیا۔) روزہ بھی ایسا ہی فرض ہے اور بنیادی عبادت ہے جیسا کہ حج۔

اگر کوئی شخص ایمان کا مدعی ہے۔ مگر نماز یا زکوٰۃ سے انکار کرتا ہے۔ یا اس خاکہ میں تبدیلی و ترمیم کی ناروا جسارت کرتا ہے۔ جو اس کے معمارِ اول نے ان عبادات کے لئے تیار فرمایا تو اسے اس قصرِ محمدی میں رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اور نہ اس کا ایسا دعویٰ ایمانی قابلِ اعتنا ہے۔ خواہ وہ ہزار بار اس کے استحکام و تعمیر کی رٹ لگاتا رہے اور ہمارے اس دعویٰ کا ماخذ خود قرآن کریم، سنتِ رسول اور صحابہ کرام و خلفاءؓ راشدین کا طرزِ عمل ہے۔ ارشادِ ربانی ہے :

فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ فخلوا سبیلھم ۔ (توبۃ)

ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کردو۔ پس اگر وہ تائب ہو کر نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک لوگ توحید اور رسالت کا اقرار اور نماز و زکوٰۃ ادا نہ کریں تو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان سے جنگ کرتا رہوں جب وہ ایسا کرنے لگیں تب وہ اپنے مال و آبرو کو مجھ سے محفوظ کر سکیں گے۔ (بخاری و مسلم)

پھر ان ارکان کے باہمی ارتباط کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ جب بنو ثقیف کے ایک وفد نے طائف سے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا مگر اس شرط پر کہ اسلام کے ایک اہم رکن نماز سے ہمیں معاف رکھا جائے۔ تو حضورؐ نے بڑی سختی اور حقارت سے ان کی یہ درخواست ٹھکرا دی۔ اور فرمایا کہ: لاخیر فی دینٍ لاصلوٰۃ فیہ (بھلا وہ دین ہی کیا جس میں نماز نہ ہو)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس مفہوم کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا:

من لم یزکّ فلاصلوٰۃ لہٗ۔ جو زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی قبول نہیں۔

(ترجمان السنۃ ص۵)

خلیفۃ الرسولؐ سیدنا صدیق اکبرؓ نے بھرے مجمعِ صحابہ میں اعلان فرمایا کہ:

واللہ لاقاتلنّ من فرّق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ۔ خدا کی قسم جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریگا۔ (ان میں سے ایک کی تعبدی حیثیت سے انکار کرے گا۔) تو میں اس سے قتال کروں گا۔

عہدِ رسالت کے فوراً بعد جب بعض غیر راسخ الایمان قبائل۔ عبس و ذبیان۔ بنو کنانہ۔ غطفان اور بنو فزارہ نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کیا تو خلیفۃ المؤمنین سیدنا صدیق اکبرؓ نے اپنی ایمانی فراست کی بنا پر اس "باغیانہ" اور "کافرانہ" جسارت کے مہلک اثرات اور نتائج کو فوراً بھانپ لیا کہ اگر اس وقت قصرِ محمدی کی بنیادوں پر یہ پہلی کاری ضرب برداشت کر لی گئی۔ تو آگے چل کر بدباطن منافقین، زائغین اور محرفین کے ہاتھوں یہ پوری عمارت پیوندِ خاک ہو کر رہ جائے گی۔ (ولا فعل اللہ کذلک الی یوم القیامۃ) حضرت صدیقؓ نے جرأتِ ایمانی سے کام لیکر تلوار نیام سے نکالی اور ایک خونریز جنگ کے بعد اس فتنہ کو تہ خاک کر دیا۔ جزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین۔

حضرت صدیقؓ کو زکوٰۃ یا اس کے تعبدی حیثیت سے انکار کرنے والوں کے اقدام

کے کفر و ارتداد ہونے میں ذرہ بھر تردد نہ ہوا۔ اور یہ اس لئے کہ بقول امام العصر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری علیہ الرحمۃ :

ان الایمان اسم لالتزام کل الدین فمن فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ فکانہ لم یومن بالکل ومن لم یومن بالکل فھو کافر قطعاً
(فیض الباری ص ۱/۱۰۸)

بنا بریں کہ ایمان نام ہے پورے دین کے التزام کا۔ پس اگر کوئی نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرتا ہے۔ گویا وہ پورے دین پر ایمان نہیں لایا اور جو پورے دین پر ایمان نہ لایا وہ شخص قطعی کافر ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی جب اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کی جسارت محض حکومت سے بغاوت نہیں بلکہ سرے سے دین کے ایک اہم رکن کا انکار یا اس میں تحریف اور غلط تاویل کرنا ہے جس کے تباہ کن اثرات پورے دین پر پڑ سکتے ہیں تو ان کا سینہ بھی اس بارہ میں کھل گیا اور نہ صرف حضرت فاروق اعظمؓ بلکہ تمام صحابہ نے حضرت صدیقؓ کا قولاً وعملاً ساتھ دیا اور اس طرح ایک رکن اسلام (زکوٰۃ) کی قطعیت میں صحابہ کا اجماع منعقد ہوا ـــــــــــ اور ایسا اجماع جس کے نفاذ میں مخالفین کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کیا گیا۔

زکوٰۃ کے اس اقدام کے اسباب وعوامل کی تلاش میں ہمیں یہ بات بھی مل جاتی ہے کہ منکرین زکوٰۃ نہ صرف سیدنا صدیق اکبرؓ کو زکوٰۃ دینے کے مخالف تھے۔ بلکہ اپنی ایک من گھڑت رائے اور نظریہ کی بناء پر زکوٰۃ کو صرف ایک ٹیکس سمجھنے لگے تھے اور اس طرح اس کی عبادتی حیثیت سے انکار کر رہے تھے۔ محدث جلیل علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں :

وانما زعموا ان الزکوٰۃ جبایۃ مالیۃ کما یجبی السلطان من الرعایا جبایات من جہات فکانت الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی عہدہ واذا ولینا نحن ولاۃ منا سقطت وبقیت کسائر الجبایات علی رائے الوالی
(فیض الباری ج ۱/۱۰۹)

منکرین زکوٰۃ کا گمان تھا کہ زکوٰۃ ایک مالی ٹیکس ہے۔ جیسا کہ بادشاہ اپنی رعایا سے کئی طرح کے ٹیکس وصول کرتا ہے۔ پس حضورؐ کے زمانہ میں تو اس ٹیکس کی وصولی حضورؐ کا حق تھا۔ اور جب ہم نے اپنوں میں سے والی اور حاکم چن لئے تو زکوٰۃ ہم سے ساقط ہوئی۔ اور دیگر ٹیکسوں کی طرح اب زکوٰۃ کا معاملہ بھی حاکم کی رائے پر ہے ـــــــــــ

ٹھیک چودہ سو سال بعد قرن اوّل کے مانعین زکوٰۃ کا یہی استدلال اور ارکان اسلام سے بغاوت کا اعادہ ہے جو آج اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ (ادارہ تحقیقات اسلامیہ) کے سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمن اور اس کی لادینی ریسرچ و تحقیق کی صورت میں ہمارے سامنے ہو رہا ہے۔ عہد حاضر کے ان نام نہاد محققین نے آج تمام ان "جاہلی نظریات" کو دجل و تلبیس اور تحریف و تاویل کے حربوں سے مسلح ہو کر اسلام کی جدید تعبیر کے روپ میں دوبارہ پیش کر دیا ہے۔ جن کو اسلام نے سختی سے غلط ٹھہرایا اور جسے اس کے پیغمبر اعظمؐ نے قدموں کے نیچے پامال کیا، جاہلیت اولیٰ کے منحوس دیو کی وہی روح بد ہے۔ جو کبھی مرزا غلام احمد قادیانی کے بھیس میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی غلام احمد پرویز کا روپ دھار لیتی ہے۔ اور کبھی ڈاکٹر فضل الرحمن اور ان جیسے محققین اور

۱؎ ڈاکٹر فضل الرحمن فرماتے ہیں۔ "معاشرہ کی ضروریات کے لئے زکوٰۃ کی موجودہ شرح کافی نہیں حکومت کو اس میں اضافہ کا حق حاصل ہے۔ (فکر و نظر اکتوبر ۱۹۶۴ء) بی بی سی کے نمائندہ کو اپنے انٹرویو میں بتایا۔ قرآن مقدس میں مسلمانوں پر مملکت کو صرف ایک ہی ٹیکس لگانے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اور وہ زکوٰۃ ہے۔ یہ ٹیکس بنیادی طور پر اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ اسے مملکت کی مختلف ضروریات پوری کرتے ہوئے مسلم معاشرہ کی سماجی ترقی بلکہ مملکت کی دفاعی اور دیگر ضروریات سول سروس ٹرانسپورٹ اور بیرونی قرضے وغیرہ پر بھی لگایا جائے۔ الخ"

کیا خوب فرمایا ڈاکٹر صاحب نے۔ خدا نے تو قرآن میں زکوٰۃ کے خرچ کے لئے مصارف ہشتگانہ مخصوص فرمائے، رسولؐ نے اس کے نصاب اور مقادیر متعین کئے۔ اور اس کے تقسیم و خرچ میں اتنا اہتمام برتا کہ ایک بار جب ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کے مال میں سے کچھ دینے کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا۔ "اے شخص اللہ تعالیٰ نے مال زکوٰۃ کی تقسیم میں کسی انسان کو بلکہ خود پیغمبر تک کو خود اختیار نہیں دیا ہے۔ بلکہ اس کی تقسیم خود اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ اور اس کے آٹھ مصارف بیان کر دئے ہیں۔ اگر تم ان آٹھ مصارف میں داخل ہو تو میں تم کو دے سکتا ہوں۔ (ورنہ نہیں) - ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ۔

پھر یہ بات کتنی مضحکہ خیز ہے۔ کہ اسلام میں زکوٰۃ کے علاوہ ملکی ضروریات کے لئے کوئی اور آمدنی مقرر نہیں کی گئی" آخر ڈاکٹر صاحب اپنے محقق کے بارہ میں یہ بات نادانی پر محمول کی جائے یا تجاہل عارفانہ پر۔ اسلام نے ایک اسلامی ریاست کے مصارف اور ضروریات کے لئے بے شمار ذرائع متعین فرمائے ہیں۔ آمدنی کا ایک ذریعہ خراج ہے۔ جو غیر مسلموں کی ان اراضی سے لیا جاتا ہے کہ جس پر مقابلہ یا صلح کے بعد مسلمانوں کا تسلط قائم ہوا ہو اور جو زمین کی پیداوار، زرخیزی، اور وسائل آبپاشی کی سہولت کو ملحوظ رکھ کر پیمائش یا بٹوارے

(باقی اگلے صفحہ پر)

مغرب زدہ ڈھانچوں میں جلوہ گر ہوجاتی ہے۔ اور پھر تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ اسلام کے ایک ایک رکن اور ایک ایک اساس پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اپنے وقت کے شیطنی ذرائع اور وسائل اسکی پشت پر ہوتے ہیں۔ کبھی اس کا وار رسالت محمدی کی بنیاد "ختم نبوت" پر ہوتا ہے تو کبھی آپ کی سنت کی تشریعی حیثیت اور منصب رسالت پر کبھی تجدد اور نئی روشنی کے نام پر مسلمانوں کے "پرسنل لاز" کو مسخ کیا جاتا ہے۔ تو کبھی ظاہری ترقی اور مغربیت کی چمک دمک سے

(حاشیہ صہ) کے طریقہ پر لگایا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے الفاظ میں اسکی وصولی کے لئے وہ افسر مقرر ہوں گے جو فقیہ، عالم، پاکباز، منصف مزاج، متدین، اور خود رائی سے اجتناب کرنے والے ہوں۔

ایک ذریعہ جزیہ ہے جو غیر مسلم اہل ذمہ سے وصول ہوگا۔ اور اسلامی ریاست ان کے شہری حقوق اور مال و جان کی محافظ ہوگی۔ اس طرح غنیمت کا مخصوص حصہ جو غیر مسلموں سے جنگ کے دوران قیدیوں اور مال و دولت کی صورت میں حاصل ہوگا۔ فئے جو دشمن سے بغیر جنگ و جدال کے مسلمانوں کے ہاتھ آئے گا۔

معادن اور رکاز۔ مدفون خزانہ یا معدن کا پانچواں حصہ بھی بیت المال میں داخل ہوگا۔ اس طرح لگان اجارہ یا ٹھیکہ کی آمدنی کہ زمین کا کوئی قطعہ کسی کاروبار کیلئے کسی شخص کو اس شرط پر دے دیا جاتا ہے۔ کہ وہ اس کے منافع میں سے ایک مخصوص حصہ بیت المال میں داخل کرے گا۔ اس کے علاوہ عشر کی شکل میں زمین پر محصول یعنی پیداوار کا ۱/۱۰ حصہ یا دوسری قسم اراضی پر نصف العشر یعنی ۱/۲۰ حصہ جس میں کمی یا زیادتی کا اختیار نہیں اور جسکے مصارف اور مقدار بھی مقرر اور معین ہے۔ ان ذرائع کے علاوہ غیر ملکی درآمد پر محصول (امپورٹ ڈیوٹی) جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لگایا گیا جب کہ دوسرے ممالک مسلمان تاجروں کے اموال پر اس قسم کی ڈیوٹی لگانے لگے اگر ایک اسلامی حکومت واقعی اسلامی بنیادوں اور خطوط پر قائم ہو۔ اسلامی نظام کا احیاء اور نفاذ کرتی ہو۔ اور محاصل و مصارف میں قرآن و سنت کی ہدایات کی سختی سے پیروی کرتی ہو تو ایسی حکومت مذکورہ اشیاء کے علاوہ دوسرے محاصل اور ٹیکس کسٹم ڈیوٹی وغیرہ بھی لگا سکتی ہے۔ فقہائے اسلام نے تصریح کردی ہے کہ ملکی دفاع فوجی قوت کے استحکام پولیس کے اخراجات یا رفاہی امور نہروں کی کھدائی پلوں کی تعمیر قیدیوں کی رہائی وغیرہ کے لئے مقررہ اور ہنگامی دونوں قسم کے محاصل وصول کئے جا سکتے ہیں۔ (ہدایۃ کتاب الکفالۃ اور دیگر کتب فقہ) نہ یہ کہ زکوٰۃ کی ہیئت سالمہ کو بدل کر ٹیکس بنادیا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے مقرر و معین مصارف کے علاوہ اسے دیگر ضروریات پر خرچ کیا جائے ـــــ (ص ـــ)

اسلام کے پورے معاشرتی نظام، طلاق، نکاح، عدۃ، میراث وغیرہ میں دست درازیاں کی جاتی ہیں۔ اس صدی میں اس طاغوتی روح نے مسلمانوں کے پورے اقتصادی ڈھانچہ، تجارت اور صنعت کو اسی جاہلی نظام۔ سود، قمار، حرام کاروبار، معاشی دستبرد اور ظلم و تعدی کی بنیادوں پر کھڑا کر دیا ہے۔ اور سارے عالم اسلام کی ہیئت حاکمہ اور قوت نافذہ کو اپنے ڈگر پر ڈال دیا ہے۔ اس کا منحوس سایہ مسلمانوں کے پورے نظام اخلاق و کردار تمدن اور طرز معاشرت پر پڑ چکا ہے۔ اور اس کی جگہ مغربی خود غرضی، نفس پروری، مادہ پرستی، جنسی ہیجان، اور اباحیت نے قدم جمائے ہیں۔ اور بدء الاسلام غریبا وسیعود غریبا کا منظر سامنے ہے۔

ان حالات میں اگر ملت مسلمہ لمحہ بھر بھی غفلت اور مداہنت یا رواداری سے کام لے اور اسلام کی ایک ایک بنیاد اور اصول پر شیطنت کا یہ وار سہتی رہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس کے نتائج کتنے مہلک اور کتنے تلخ ہوں گے؟ پھر معلوم نہیں یہ سلسلہ آخر کہاں جا کر ختم ہوگا۔ اگر آج زکوٰۃ کی شرعی حیثیت کو غتر بود کیا گیا کہ زکوٰۃ کی موجودہ شرح حکومت کے مصارف کے لئے کافی نہیں، تو کل نمازوں کی تعداد اور مقدار میں بھی یہ کہہ کر قطع و برید کی جائے گی کہ آج کل کی مصروف زندگی میں اس پنج وقتہ ضیاع وقت" (نارتھ بدہن) کی فرصت کہاں! اور یہ کہاں کی دانشمندی ہے۔ کہ اس صنعتی اور مشینی دور میں مہینہ کے پورے تیس ۳۰ دن روزے رکھ کر ملک کی مادی حیثیت کو نقصان پہنچایا جائے۔؟ اور حج و زیارت" کے نام پر ہزاروں میل کا سفر کر کے ملک اور قوم کا وقت اور ریاست کا "زرمبادلہ" ضائع کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔؟ — والعیاذ باللہ العظیم۔ اگر آج سود کے حلال ٹھہرائے جانے کو گوارا کر لیا جائے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ کل زنا اور خمر کو بھی حلال نہ کہنا پڑے۔ اور اگر آج مسلمانوں کے معاشرتی معاملات میں تحریف و تبدیل پر صبر کر لیا جائے تو کونسی ضمانت ہے۔ کہ کل "عبادات" اور اعتقادیات تک سے ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔؟

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا اس سے دیگر ارکان کے علاوہ زکوٰۃ کی بنیادی اور تعبدی حیثیت پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ڈاکٹر فضل الرحمن اور اس قماش کے دیگر ثقافتی اور ریسرچی "ارباب فکر و نظر" کے تحقیقات کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے۔

دراصل جو قلوب اسلام کے بارہ میں سوء ظن سطحیت۔ یا حسد و عناد کے شکار ہیں۔ اور

اسلام کو موجودہ "جاہل دور" کے لئے ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ بعض سیاسی اور مادی اغراض کی وجہ سے نہ تو کھل کر اسلام کے "دینِ ابدی" اور ضابطہ حیات ہونے کا انکار کر سکتے ہیں، اور نہ اندرونی نفاق کی وجہ سے اسلام کی جامعیت اور دینِ حنیفی کی سچائیوں کا اقرار۔ اس گومگو حالت نے انہیں تضاد، تعارض اور تذبذب و نفاق کے ایک عجیب مضحکہ خیز مقام پر لاکھڑا کیا ہے۔ کبھی وہ سرمایہ دارانہ نظام پر اسلام کا ٹھپہ لگائیں گے تو کبھی کمیونزم اور مارکسیت کو دنیا کا کامیاب مذہب قرار دیں گے۔ کبھی کہیں گے کہ سائنس و حکمت اور دین و مذہب کا کوئی جوڑ ہی نہیں ہو سکتا۔ کبھی کہیں گے کہ اسلام کا مقصد ہی صرف سائنسی ترقی اور مادی عروج و ارتقاء ہے۔ کبھی سرے سے سنتِ رسولؐ کے حجت ہونے سے انکار کر بیٹھتے ہیں۔ تو کبھی ہر زمانہ کے ماؤف یا استشراق زدہ دل و دماغ کے اجتہادات کو بھی "سنتِ جاریہ" کا نام و مقام دیں گے۔ گویا ان کی کیفیت ٹھیک اس ارشادِ خداوندی کی مصداق ہے:

فکانما خر من السماء فتخطفہ	گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر اسے پرندے
الطیر او تھوی بہ الریح فی	اچک لیتے ہیں۔ یا اسے ہوا اڑا کر کسی دور
مکان سحیق۔ (حج پ ۱۷ ع ۱۱)	جگہ میں پھینک دیتی ہے۔

پھر یہ لوگ اپنی نت نئی "اختراعات" اور تحریفات کے اثبات کے لئے جو دلائل و براہین پیش کرتے ہیں، کوئی عقلِ سلیم اور قلبِ مؤمن تو اسے کیا قبول کرے گا، خود ان کا ضمیر بھی ان کی ہنسی اڑاتا ہے۔ علم و تحقیق کی دنیا اس تحریف و تلبیس پر سر پیٹنے لگتی ہے۔ مگر تحقیق و ریسرچ کے یہ دعویدار پوری ڈھٹائی سے اپنے تبحر و تعمق کا شور مچاتے رہیں گے۔ اور ہر طرح دین کو بازیچۂ اطفال بناتے رہیں گے۔

اگر ملتِ مسلمہ کو اسلام کے "شجرہ طوبیٰ" کے سایۂ عاطفت اور "قصرِ محمدیؐ" کی پناہ میں رہنا ہے اور اسکی ہر دیوار اور بنیاد کو اعداء و اغیار کی نقب سے بچانا ہے، تو ضرورت ہے کہ اس ملت کا نام لیوا خواہ عامی ہو یا عالم جاہل ہو یا مقتدا، اپنے تمام اغراض اور مصلحتوں سے دستبردار ہو کر سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی فراست اور فاروقِ اعظمؓ کی جرأت سے کام لیکر میدان میں کود پڑے۔ اور جو زبان و قلم اور جو ہاتھ بھی اس قصرِ محمدیؐ میں شگاف پیدا کرنے کی سعی کرے اسے ہمیشہ کیلئے خاموش اور مفلوج کر دیا جائے۔ کہ بقول کسے "یہ وقت بدر و حنین کا ہے جمل و صفین کا نہیں"۔

واللہ فی عونکم مادمتم فی عون الاسلام۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور انکی اکیڈمی دین کا حلیہ بگاڑنے میں مصروف ہے

شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب کا اخباری بیان

اکوڑہ خٹک : دار العلوم حقانیہ کے مہتمم و شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدظلہ نے زکوٰۃ اور سود کے بارے میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کے تازہ خیالات کو "جاہلی نظریات" اور دین کے لئے کھلا چیلنج قرار دیا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ ڈاکٹر صاحب اور ان کے ہمنوا اگرچہ کافی عرصہ سے دین کے اٹل اور غیر متبدل احکام و نصوص اور قطعی مسلمات کو مشق تحقیق بنائے ہوئے تھے۔ مگر اب اخباری سطح پر ان کے "لادینی خیالات کی اشاعت سے بڑے خطرے کی غمازی ہو رہی ہے۔ انہوں نے اس سے پہلے دین کے "علل و غایات" کو ابدی رنگ احکام و نصوص کو قابل تبدیل و ترمیم قرار دے کر دین کو مسخ کرنے کی کوشش کی "سنت جاریہ" کے نام سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بغاوت کی۔ ابھی پچھلے دنوں ہی "حدود شرعیہ" کو مشق ستم بنایا۔ اور لفظ حد کو چودہ سو سالہ متفقہ اور متواتر مفہوم سے الگ کرنے کی سعی کی۔ "سود" کو منافع کی آڑ میں حلال ٹھہرانے کے جاہلی خیالات کا اعادہ کیا۔ اور اب زکوٰۃ کی شرح میں تبدیلی کی تجویز پیش کی جس کے مقادیر اور مصارف قطعی منصوص ہیں۔ اور جس طرح دیگر عبادات نماز کے اوقات و ارکان اور رکعات کی تعداد، روزوں کی تعداد اور کیفیت، حج کے ارکان اور مناسک میں ہرگز دخل اندازی نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح زکوٰۃ جو ایک اہم عبادت ہے۔ اس طرح کی دست درازیوں کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ ڈاکٹر صاحب نے ابھی حال ہی میں "عالمی مذاہب کانفرنس" میں کمیونزم کو اسلام سے بہتر قرار دے کر دنیا بھر کے مسلمانوں کی دل آزاری کی۔ اور پاکستان کے لئے رسوائی کا سامان فراہم کیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ "لادینی نظریات" اسلامی نظریہ پاکستان کے خلاف ہیں۔ اور ان سے دینی جذبات مجروح ہونے اور دنیا میں پاکستان کی بدنامی کا سامان ہو رہا ہے۔ تو اس قسم کے "اشخاص" اور "تحقیقی اداروں" کو بجائے پابند کرنے کے حکومت کی سرپرستی اور حمایت میں ایسے خیالات کی اشاعت کا موقعہ کیوں دیا جا رہا ہے۔؟ "مشاورتی کونسل" کے چیرمین نے اپنے بیان میں ڈاکٹر صاحب کے خیالات کا رشتہ کونسل سے کاٹ کر تو اُن کے خیالات کے "غیر شرعی" ہونے کا اعتراف کر لیا ہے سوال یہ ہے۔ کہ جب یہ شخص کونسل کا ممبر اور ایک مرکزی سرکاری ادارہ کا ڈائرکٹر ہو۔ تو اس کے خیالات کی ذمہ داری سے کونسل اور حکومت کس طرح دستبردار ہو سکتی ہے؟ اور اگر بالفرض یہ ڈاکٹر صاحب کے ذاتی نظریات پیش کرنے کا

(باقی صـ ۲۱ پر)

اسلام میں زکوٰۃ سے پہلی بغاوت اور اسکی سرکوبی

از مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔ ایم اے

قبائل عبس ذبیان۔ بنو کنانہ غطفان اور بنو فزارہ جو حوالی مدینہ میں آباد تھے۔ یہ لوگ وہ تھے۔ جو اس کا اقرار کرتے تھے کہ ہم نماز پڑھیں گے، لیکن زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ ان میں بھی دو قسم کے لوگ تھے۔ بعض تو وہ تھے جو بر بنائے بخل سرے سے ادائے زکوٰۃ کے ہی منکر تھے۔ اور بعض کہتے تھے کہ ہم زکوٰۃ نکالیں گے۔ لیکن اسکو مدینہ نہیں بھیجیں گے، ان لوگوں کا استدلال یہ تھا کہ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً	اے پیغمبر آپ لوگوں سے صدقہ لیجئے جو
تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ	ان کو پاک وصاف کردے اور ان کیلئے
عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ	سلام ورحمت طلب کیجئے۔ آپکی صلوٰۃ
لَّهُمْ۔	ان کیلئے تسکین کا باعث ہے۔

یہ کہتے تھے کہ اب حضورؐ کی وفات کے بعد کوئی ایسا نہیں ہے جسکی صلوٰۃ ہمارے لئے سکن ہو اس لئے اب ہم کسی کو زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ اس کے علاوہ ان کا ایک استدلال یہ بھی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زکوٰۃ کے بارہ میں ارشاد ہے۔

تؤخذ من اغنیاء ھم	زکوٰۃ ہر جگہ کے مالداروں سے لی جائے
وترد الی فقرا ئھم۔	اور انہیں لوگوں کے فقیروں پہ تقسیم کردی جائے

اس بنا پر یہ لوگ کہتے تھے کہ ہم زکوٰۃ نکالیں گے تو اس کو مدینہ نہیں بھیجیں گے۔ بلکہ خود اپنے قبیلہ کے فقرا پر ہی تقسیم کردیں گے۔ اب ان لوگوں نے سلسلہ جنبانی اس طرح کی کہ پہلے اپنے وفد گفتگو کے لئے مدینہ بھیجنے شروع کئے...... ان وفود نے پہلے مدینہ کے دوسرے

ذمہ دار حضرات سے گفتگو کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس معاملہ میں حضرت ابوبکرؓ سے اُن کی سفارش کر دیں۔

اس وقت عرب کی جو عام حالت تھی کچھ اس کا احساس اور پھر ان وفود کا استدلال بھی کچھ دل لگتا سا تھا۔ صحابۂ کرام ان لوگوں کی گفتگو سے متاثر ہو گئے اور انہوں نے صدیق اکبر سے کہا کہ ان اعراب کو جو زکوٰۃ ادا کرنا نہیں چاہتے اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے۔ اور ان سے مزید کوئی تعرض نہ کیا جائے۔ صحابۂ کرام کا خیال تھا کہ ان اعراب کا ایمان ابھی نیا نیا ہے۔ مکمل طور پر جب دل نشین اور راسخ ہو جائے گا۔ تو پھر یہ لوگ خود زکوٰۃ دیں گے[1] لیکن حضرت ابوبکر نے یہ مشورہ قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ خدا کی قسم اگر یہ لوگ اونٹ کی ایک رسّی[2] سے بھی جس کو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ادا کرتے تھے۔ انکار کریں گے تو میں اس پر اُن سے جنگ کروں گا۔ اس کے بعد فرمایا" زکوٰۃ مال کا حق (یعنی عبادت) ہے۔ جو لوگ نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کریں گے۔ میں ان سے قتال کروں گا۔

حضرت عمر جو اپنی رائے کے اظہار میں زیادہ جری اور بیباک تھے، انہوں نے کہا" آپ ان لوگوں سے قتال کس بنیاد پر کریں گے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے۔ "مجھ کو حکم دیا گیا ہے۔ کہ لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ وہ لاالٰہ الااللہ وان محمداً رسول اللہ نہ کہیں۔ لیکن جب وہ یہ کلمہ پڑھ لیں گے۔ تو ان کی جانیں اور ان کے مال محفوظ ہو جائیں گے۔ مگر ہاں جب ان پر کسی کا کوئی حق ہو لیکن حضرت ابوبکر کا استدلال یہ تھا کہ نماز اور زکوٰۃ میں باعتبارِ فرضیت کوئی فرق نہیں ہے۔

چنانچہ قرآنِ مجید میں اکثر مقامات پر نماز اور زکوٰۃ دونوں کا ذکر ایک ساتھ ہی ہے۔ اس

---

[1] البدایہ والنہایۃ ج ۶ ص ۳۱۱ ۔ علامہ ابن حزم نے اس بنا پر ان لوگوں کی نسبت لکھا ہے۔ وطائفۃ بقیت علی الاسلام ایضاً الا انھم قالوا نقیم الصلٰوۃ وشرائع الاسلام الا انا لا نؤدی الزکٰوۃ الی ابی بکر رضی اللہ عنہ ولا نعطی طاعۃ لاحد بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (الملل والنحل ج ۲ ص ۶۶)

[2] بعض روایتوں میں عقال کا لفظ ہے جس کے معنی رسی کے ہیں۔ اور بعض میں عناق کا لفظ ہے اس کے معنی خود اونٹنی ہیں۔

کے علاوہ قرآن پاک میں ہے :

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا	پس اگر یہ لوگ توبہ کرلیں اور نماز پڑھیں
الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ۔	اور زکوٰۃ ادا کریں تو تم ان سے کچھ نہ کہو۔

پھر یہ معلوم ہے۔ کہ بنو ثقیف کا ایک وفد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں طائف سے حاضر ہوا تھا اور اس نے کہا تھا کہ ہم اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن نماز سے ہم کو مستثنیٰ کر دیجئے تو آپ نے بڑی سختی کے ساتھ ان کی یہ درخواست رد کر دی تھی۔ اور فرمایا تھا۔ "بھلا وہ دین ہی کیا ہے جس میں نماز نہ ہو۔" انہ لاخیر فی دین لاصلوٰۃ فیہ۔ پس جسطرح دین نماز کے بغیر کچھ نہیں ہے۔ زکوٰۃ کے بغیر بھی وہ دین باقی نہیں رہتا ہے۔

حضرت ابوبکر کا فیصلہ چونکہ بالکل حق تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اسی ایک فیصلہ نے دین کی اصل عظمت اور اس کی اصلیت کو قائم رکھ لیا۔ اس بنا پر حضرت عمر بھی قائل ہو گئے۔ خود فرماتے ہیں:

فما ھو الا ان رایت اللہ قد شرح	تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی میں نے دیکھ لیا کہ
صدر ابی بکر۔	اللہ نے ابوبکر کا سینہ کھول دیا تھا۔

بارگاہِ خلافت سے مایوس ہو کر یہ ارکانِ وفد اپنے اپنے قبیلوں کی طرف واپس ہوئے۔ یہاں مدینہ میں دیکھ ہی گئے تھے کہ صحابۂ کرام کی ایک بڑی تعداد حضرت اسامہ کے ساتھ جا چکی تھی اور یہاں تھوڑے سے صحابہ رہ گئے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے قبیلوں کو آمادہ کیا کہ موقع سے فائدہ اٹھا کر مدینہ پر حملہ کر دیا جائے۔ ادھر یہ لوگ یہ منصوبہ باندھ رہے تھے۔ اور اُدھر حضرت ابوبکر نے وقت کی نزاکت کو محسوس کر کے مدینہ کی حفاظت۔ نگرانی کا بندوبست شروع کر دیا۔ آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ کبارِ صحابہ یعنی حضرت علی۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ زبیر بن عوام۔ عبداللہ بن مسعود۔ اور طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کی سرکردگی میں مدینہ کے مختلف راستوں پر حفاظتی دستے متعین کر دئے۔ اور جو اہلِ مدینہ تھے ان پر مسجد میں حاضر ہونا لازمی کر دیا۔ تاکہ اگر کوئی ہنگامی صورت اچانک پیدا ہو جائے تو ان کو فوراً اطلاع ہو سکے اور سب کو خبردار کر دیا کہ " اے مسلمانو! یہ وفد تمہاری قلتِ تعداد کو دیکھ کر گیا ہے۔ اس لئے تم نہیں جانتے کہ یہ صبح کو حملہ کر دیں گے۔ یا شب میں یہ لوگ مسافت کے اعتبار سے تو آخر تم سے قریب ہیں ہی۔ یہ لوگ ہم سے معاملہ طے کرنے اور بہت کچھ توقعات لیکر آئے تھے۔ لیکن ہم نے ان کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا ہے۔ اس لئے تم تیار ہو جاؤ اور ہوشیار رہو۔"

لہ البدایۃ والنہایۃ ج ۶ صـ۳۱۱ تا صـ۳۱۳

حضرت ابوبکر کا جو اندیشہ تھا وہ آخر صحیح ثابت ہوا۔ وفد کو ناکام گئے ابھی تین دن ہی ہوئے تھے کہ ان قبیلوں نے جو طلیحہ اسدی کے زیر اثر تھے اپنے آپ کو دو حصوں میں برابر تقسیم کیا۔ ایک حصہ مقام ذوحسی میں چھوڑا جو مدینہ کے قریب نجد کے راستہ پر واقع ہے۔ اور اس کا مقصد یہ تھا کہ یہ کمک کا کام دے۔ رہا دوسرا حصہ تو اس نے مدینہ پر غارتگری کے ارادہ سے چڑھائی کردی۔ مدینہ کی حفاظت پر جو دستہ متعین تھا۔ اس نے حضرت ابوبکر کو اطلاع پہنچائی۔ آپ نے حکم دیا کہ تم اپنی جگہوں پر رہو اور ادھر سے آپ خود مسلمانوں کو اونٹنیوں پر لے کر روانہ ہوئے۔ باغی مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگ پڑے مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ باغی مقام ذوحسی پہنچے تو جو لوگ یہاں پہلے سے موجود تھے۔ وہ بھی اب ان کے ساتھ مل گئے۔ مسلمان اونٹوں پر ان کا تعاقب کرتے ہوئے آ ہی رہے تھے کہ ذوحسی والوں نے کیا حرکت کی؟ چمڑہ کے تھیلے جو اُن کے ساتھ تھے ان میں پھونک بھری، غبارہ کی شکل بنا کر ان میں رسیاں باندھیں اور ان کو اونٹوں کی طرف پھینک مارا۔ مسلمانوں کے یہ اونٹ جنگ کی فریب کاریوں کے عادی نہ تھے۔ اس لئے بھاگ پڑے اور سیدھے مدینہ میں آکر ٹھہرے۔[1]

قبیلۂ عبس و ذبیان۔ بنومرۃ اور بنوکنانہ وغیرہم جو ان کے حلیف تھے سمجھے کہ مسلمان پسپا ہو کر بھاگ گئے ہیں۔ اس لئے اب ان کا حوصلہ بڑھا اور انہوں نے مدینہ پر باقاعدہ حملہ کے ارادہ سے ذوالقصہ (یہ مقام بھی مدینہ سے قریب نجد کے راستہ پر ہے) والوں کو بھی پیغام بھیجا کہ ان کے ساتھ شریک ہوجائیں۔ طلیحہ کا بھائی (حافظ عمادالدین ابن کثیر نے بیٹا لکھا ہے۔) حبال ان کی قیادت کر رہا تھا۔ اُدھر یہ لوگ مدینہ پر حملہ کا خواب دیکھ رہے تھے۔ اور ادھر حضرت ابوبکر نے مدینہ واپس پہنچ کر ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ آتے ہی جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے۔ باقاعدہ فوج کی ترتیب کی۔ فوج کے دائیں بازو پر نعمان بن مقرن کو، بائیں بازو پر عبداللہ بن مقرن کو مقرر کیا اور پچھلا حصہ ان کے بھائی سوید کے سپرد کیا۔ ابھی ایک پہر شب باقی تھی کہ روانہ ہوگئے۔ صبح کی پو پھٹی بھی نہیں تھی کہ دشمن پر جا پہنچے۔ یہ لوگ بے خبر آرام سے سو رہے تھے۔ مسلمانوں نے تلوار چلانی شروع کردی۔ یہ لوگ بدحواس ہو کر جو بھاگے تو ذوالقصہ میں دم لیا۔ خلیفۂ رسول نے ذوالقصہ تک ان کا تعاقب کیا۔ لیکن اب ان لوگوں میں مقابلہ کی طاقت نہیں تھی۔ اس لئے حضرت نعمان بن مقرن کو دستہ کے ساتھ ذوالقصہ میں چھوڑ کر خود مدینہ

---

[1] کامل ابن اثیر صفحہ ۲۶۱ ج ۲ و طبری صفحہ ۲۴۶۷ ج ۴ ۔ والبدایۃ والنہایۃ صفحہ ۳۱۳ ج ۶ وفتوح البلدان صفحہ ۱۰۱

واپس تشریف لے آئے۔ یہاں مسلمانوں کی اس کامیابی سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلی مرتبہ حاصل ہوئی تھی مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ پھر اس پر مزید یہ ہوا کہ مختلف قبائل کے جو سردار مسلمان تھے وہ اپنی اپنی زکوٰۃ لے کر مدینہ پہنچ گئے اس سے یہاں مالی اعتبار سے تقویت ہوئی اور مسلمانوں کو امداد پہنچی۔ یہ بھی ثابت ہو گیا کہ باغیوں اور مرتدوں کی کثرت کے باوجود متعدد بیرونی قبائل کے روٗسا پکے اور سچے مسلمان تھے۔ اس احساس نے خوشی دوچند کر دی۔

جو حضرات مدینہ کا پہرہ دے رہے تھے، ان میں سے ایک ایک صاحب زکوٰۃ رئیس کو لیکر مدینہ میں آتا تھا تو مسلمان ان کو دیکھ کر کہتے "ہذا نذیر"[1] حضرت ابوبکر فوراً فرماتے کہ نہیں بلکہ وہ بشیر ہیں۔ اور اسلام کے حامی ہیں۔ سست نہیں ہیں اصل الفاظ یہ ہیں: "بل ہو بشیرٌ وھو حام ولیس بوانٍ" لوگ اس کے جواب میں حضرت ابوبکر سے کہتے۔ طالما بشرت بالخیر۔ آپ کو تو عرصہ ہوا خیر کی بشارت دیدی گئی ہے۔

حضرت ابوبکر کی ذوالقصہ سے واپسی کے بعد قبیلہ عبس وذبیان کا اور کوئی بس نہ چلا تو یہاں تھوڑے بہت جو مسلمان تھے ان کو دھوکہ سے قتل کر ڈالا۔ صدیق اکبرؓ کو ان کی اطلاع ہوئی تو قسم کھائی کہ جب تک وہ ان قبیلوں سے مسلمانوں کے خونِ ناحق کا بدلہ نہیں لے لیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ اسی اثنار میں حضرت اُسامہ اپنی مہم سے فارغ ہو کر مدینہ واپس آگئے تھے۔ اب حضرت ابوبکر کو اور زیادہ اطمینان ہوا۔ آپ نے حضرت اسامہؓ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور فرمایا اریحوا واستریحوا تم لوگ اب آرام کرو۔

اس انتظام سے فارغ ہو کر آپ نے بنفس نفیس ایک فوج لیکر ذوالقصہ کی روانگی کا ارادہ کیا تاکہ غدار قبیلوں کو ان کی غداری کی سزا دے کر مسلمانوں کا انتقام لیں۔ صحابہ کرامؓ نے ہر چند منت سماجت کی اور کہا اے خلیفہ رسولؐ! ہم آپ کو قسم دیتے ہیں۔ آپ نہ جائیے۔ اگر خدانخواستہ آپ کو چشم زخم پہنچا تو ہم لوگوں کا کوئی نظام باقی نہیں رہے گا۔ اور آپ کا یہاں رہنا دشمن کے لئے سخت مرعوب کن ہوگا۔ آپ اپنے بجائے کسی دوسرے کو بھیج دیجئے۔ وہ اگر

---

[1] طبری صفحہ ۱۸۴۷ چونکہ یہ حضرات مدینہ کے پہرہ دار تھے اس لئے ان کا آنا بہ ظاہر اس بات کی علامت تھی کہ مدینہ کو کوئی خطرہ پیش آگیا ہے اور یہ اسکی اطلاع لیکر آئے ہیں۔ مسلمان فرطِ مسرت سے مذاق میں انکو ہذا نذیرٌ اسی مناسبت سے کہتے تھے۔ جو حضرات صدقات لے کر آئے تھے۔ تاریخوں میں ان سب کے نام بھی محفوظ ہیں۔

کام آگئے تو آپ ان کی جگہ کسی دوسرے کو مقرر کر سکتے ہیں۔ [1]

حضرت عائشہ فرماتی ہیں "جب میرے باپ سواری پر بیٹھے اور تلوار میان سے باہر نکالے ذوالقصہ کیلئے روانہ ہونے لگے۔ تو حضرت علی بن ابی طالب ان کی سواری کی باگ روک کر کھڑے ہو گئے اور بولے " اے رسول اللہ کے خلیفہ! آپ کہاں جا رہے ہیں؟ میں آپ سے وہی کہوں گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد کے موقع پر آپ سے کہا تھا۔ یعنی یہ کہ آپ اپنی تلوار میان میں کیجئے اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر دردمند نہ کیجئے" [2]

لیکن حضرت ابوبکر نے ان سب کے جواب میں فرمایا "اللہ کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا۔ اور میں اپنے نفس کے ساتھ تمہاری غمخواری قبول نہیں کر سکتا۔" چنانچہ آپ اپنا لشکر لے کر ذی حسی اور ذوالقصہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مقام ابرق میں اہل ربذہ پر حملہ کیا۔ حارث اور عوف یہاں کے لیڈر تھے۔ اُن کو شکست دی۔ بنو عبس اور بنو بکر خوف زدہ ہو کر بھاگ گئے۔ حضرت ابوبکر ابرق میں چند روز قیام فرمانے کے بعد آگے بڑھے اور بنو ذبیان کو مغلوب کیا اور ان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا اور آخر اس طرح عبس و ذبیان نے جن مسلمانوں کو شہید کیا تھا ان کا انتقام لے کر فتح و کامرانی کا پرچم اڑاتے ہوئے مدینہ واپس آگئے [3]

بنو ذبیان۔ عبس غطفان۔ بنو بکر اور ان کے علاوہ دوسرے قبیلے جو مدینہ کے قرب و جوار میں آباد تھے۔ اور جو اعراب مدینہ کہلاتے تھے۔ حضرت ابوبکر کی ان کے ساتھ یہ آخری کامیاب جنگ تھی۔ ان کو چاہئے تھا کہ اب وہ حضرت ابوبکر کی اطاعت قبول کر لیتے اور زکوٰۃ کی فرضیت کے بھی قائل ہو کر مسلمان اور پکے مومن بن جاتے۔ لیکن ان پیہم شکستوں نے اُن کو بوکھلا دیا تھا۔ اور آخر نتیجہ یہ ہوا کہ اب تک اسلام کی جو مصنوعی نقاب انہوں نے اپنے چہرہ پر ڈال رکھی تھی اسے بھی نوچ کر پھینک دیا اور جو کھلم کھلا باغی اور کافر تھے ان کی صفوں میں جا کر مل گئے۔ == (صدیق اکبرؓ)

---

[1] طبری ص ۲۴۵ ج ۲ [2] البدایۃ والنہایۃ ص ۳۱۵ ج ۶ لیکن اس کے بعد حافظ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ حضرت ابوبکر نے حضرت علی کی درخواست قبول کر لی۔ اور وہ خود واپس ہو گئے۔ اور لشکر روانہ کر دیا حالانکہ طبری وغیرہ میں ہے کہ آپ نے یہ مشورہ منظور نہیں فرمایا اور بہ نفس نفیس تشریف لے گئے۔

[3] طبری ص ۲۴۹ ج ۲

مولانا حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی
رفیق ادارۃ الحق

اسلام کا تصوّر نبوّت

گزشتہ سے پیوستہ

نبی اور بشریت

نبی ان تمام صفات کے ساتھ ساتھ کوئی مافوق البشر ہستی نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی ایک بشر ہی ہوتا ہے۔ وہ عام انسانوں کی طرح پیدا ہوتا ہے۔ اس پر بچپن آتا ہے۔ جوانی آتی ہے۔ اور بڑھاپے کی منازل سے بھی اس کو گذرنا پڑتا ہے۔ وہ کھاتا بھی ہے، پیتا بھی ہے۔ شادی بھی کرتا ہے، اس کے ہاں اولاد بھی ہوتی ہے۔ مختلف اوقات میں رنج وغم سے بھی اس کو دوچار ہونا پڑتا ہے۔ خوشی اور مسرت کے لمحات بھی اس پر آتے ہیں۔ کبھی میدانِ کارزار میں اس کو دیکھا جاتا ہے۔ تو کبھی غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کی غم خواری میں اسکی حالت غیر ہو جاتی ہے۔ کبھی وہ عام انسانوں کی طرح اپنی بیویوں کے ساتھ گھر میں ہوتا ہے۔ گھر کے کام کاج بھی کرتا ہے۔ دودھ بھی دھو لیتا ہے۔ جھاڑو بھی دے لیتا ہے۔ آٹا بھی گوندھ لیتا ہے۔ اور کبھی کبھی جوتا بھی گانٹھ لیتا ہے۔ اور کبھی اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ مسجد کی تعمیر اور خندق کی کھدوائی میں برابر کا کام کرتا ہے۔ بلکہ کام کرتے کرتے بھوک کی وجہ سے اگر ساتھیوں کے پیٹ پر ایک پتھر بندھا ہوتا ہے تو اس کے پیٹ پر دو۔ ذکرِ اللہ اور عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوتا ہے۔ تو اس قدر استغراق اور توجہ الی اللہ اُسے حاصل ہوتی ہے، کہ پوری انسانیت میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ نماز پڑھنے پر آتا ہے۔ تو قیام، رکوع اور سجود اس قدر لمبے کرتا ہے کہ اس کے پاؤں بھی متورم ہو جاتے ہیں۔ روزہ رکھنے پہ آتا ہے۔ تو وصال کے روزے رکھنے شروع کر دیتا ہے، لیکن کسی مقام پر بھی نہ اس کو کبھی یہ خیال آتا ہے۔ کہ میں کوئی فوق البشر ہستی اور نہ ہی وہ کسی کو یہ خیال آنے دیتا ہے۔ وہ بار بار اپنی بشریت کا اظہار کرتا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ میں اس عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت ابال ابال کر کھایا کرتی تھی[1]۔

---

[1] رواہ ابن جوزی عن ابن مسعودؓ

کبھی کہتا ہے کہ میری تعظیم میں غلو نہ کرو جس طرح کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی شان میں غلو سے کام لیا ہے۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں[1]۔ کبھی کہتا ہے کہ مجھے یونس بن متی پر فضیلت نہ دو[2]۔ کبھی کبھی قرآن کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے کہ:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ[3] اے رسول کہہ دو کہ بیشک میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں کہ وحی ہوتی ہے مجھ کو۔

قُلْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا[4] نہیں ہوں میں مگر ایک بشر جو رسول بھی ہے۔

کبھی نماز میں بھول جاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ دیکھو "انسی کما تنسون" میں تمہاری طرح بھول بھی جاتا ہوں۔ مجھے اونگھ اور نیند بھی آتی ہے۔ وہ صرف میرا رب ہے۔ جو نہ بھولتا ہے۔ اور نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند، وہ نہ کھاتا ہے اور نہ پیتا ہے۔ وہ "صمد" ہے، سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں۔ سب اس کے دروازے پر اپنی اپنی حاجتیں لئے کھڑے ہیں۔ اور وہ سب کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے۔

پھر کبھی میدان میں زخم کھاتا ہے۔ کبھی دانت شہید کرواتا ہے۔ کبھی دشمن اس کو بڑے بڑے لوہے کے آروں سے چیرتے ہیں۔ اور وہ اللہ کا نام لیتے لیتے چر جاتا ہے۔ اور بتاتا ہے، کہ دیکھو میں چرا بھی جا سکتا ہوں۔ غرضیکہ اپنے ہر عمل، اپنے ہر قول اور اپنی ہر نشست و برخاست سے وہ یہ ظاہر کرتا ہے۔ کہ میں تم ہی جیسا ایک بشر ہوں، صرف اللہ کی وحی میری طرف ہوتی ہے۔ میں اس کا پیغام بر ہوں۔ اس کی باتیں سنتا ہوں، پہلے خود اس کے مطابق عمل کرتا ہوں۔ پھر تم کو وہ باتیں بتاتا ہوں۔ اور اپنے عمل کے عکس اور طاقت سے پھر ان باتوں پر تم سے بھی عمل کرواتا ہوں۔ مجھے حق تعالیٰ کی خدائی میں ذرہ برابر بھی شرکت نہیں۔ میرا کام صرف بغیر کسی ردّ و بدل کے حق تعالیٰ کے احکام کو پہنچا دینا ہے۔ مجھے یہ حق نہیں ہے کہ میں اس پیغام میں اپنی طرف سے کچھ تبدیلی کر سکوں۔ جس طرح تم اللہ کے احکام پر عمل کرنے کے لئے مامور ہو۔ اسی طرح میں بھی مامور ہوں۔ بلکہ میرے لئے ان احکام پر پہلے عمل کرنا ضروری ہے۔ تاکہ میں اپنے اسوہ حسنہ سے تمہیں یہ بتا سکوں کہ اللہ تعالیٰ کے احکام ایسے نہیں ہیں جن پر عمل کرنا ممکن نہ ہو۔

اگر غور و فکر کیا جائے تو نبی کا سب سے بڑا کمال ہی اس کا انسان اور بشر ہونا ہے، کیونکہ وہ انسانوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اصلاح کے لئے صرف علم ہی کافی نہیں بلکہ احساس کی بھی

---

[1] رواہ البخاری [2] رواہ البخاری [3] القرآن: بنی اسرائیل [4] القرآن: بنی اسرائیل

ضرورت ہے۔ جو بھوکا نہیں رہ سکتا وہ ایک بھوکے کی بھوک کا احساس کیسے کر سکتا ہے۔ جو غم نہ کھا سکتا ہو وہ ایک غم زدہ کی تسلی خاطر بھی نہیں کر سکتا۔ جو اہل و عیال کے جھمیلوں سے آزاد ہو وہ ایک متاہل آدمی کی ضرورت کا احساس نہیں کر سکتا ہے۔ جو انسانی فطرت کی کمزوریوں سے آشنا نہ ہو وہ ان کمزوریوں پر چشم پوشی بھی نہیں کر سکتا۔ اسی لئے اللہ کے احکام پر عمل کرنے کے لئے قوم کے سامنے اس عمل کا جو نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ وہ اس کے پیغمبر کی زندگی ہوتی ہے۔ اور قوم سے کہا جاتا ہے کہ دیکھو یہ احکام جو تمہیں دیئے جا رہے ہیں یہ کوئی ایسے احکام نہیں ہیں جن پر ایک انسان عمل نہ کر سکے۔ انسانی کمزوریوں کو مدِ نظر رکھ کر ہم نے یہ احکام تم پر نازل کئے ہیں۔ اور ان پر عمل کرنے کا طریقہ بھی ہم تمہیں بتا دیتے ہیں۔ تاکہ تمہیں عمل کی دنیا میں مشکل نہ ہو۔ یہ ہماری شفقت ہے۔ اور ہماری رحمت کا تقاضا ہے۔ اور وہ طریقہ ہے تمہارے نبی اور رسول کا طریقہ۔ وہی تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے جس طریقہ سے وہ عمل کرتا ہے۔ تم بھی اسی طریقہ سے عمل کرو۔ اس سے ایک تو عمل تمہارے لئے آسان ہو جائے گا۔ اور دوسرے وہ طریقہ چونکہ ہمارا بتایا ہوا ہے۔ لہٰذا اس سے عمل کا مقصود یعنی ہماری رضا جلدی حاصل ہوگی ـــــ

یہی نہیں بلکہ رسولوں اور انبیاء کا انسان اور بشر ہونا ایک مستقل انعام قرار دیا جاتا ہے۔ اور بطورِ امتنان اور احسان کے امت کے سامنے اس کو پیش کیا جاتا ہے۔ جیسے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ [1]

یہاں جس طرح رسول کی بعثت کو اور وہ بھی سرزمینِ عرب میں بطورِ احسان کے بیان کیا ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر اس کے انسان اور بشر ہونے کو امتنان اور احسان کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ بلکہ مختلف مواقع پر مختلف آیات میں مختلف طریقوں سے یہ بتایا کہ جو سلسلۂ نبوت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہو کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا، اس سلسلے کا کوئی رسول اور کوئی نبی ایسا نہ تھا جو انسان اور بشر نہ ہو۔ اس لئے کہ وہ انسانوں کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے تھے۔ اگر وہ خود انسان نہ ہوتے تو یہ نسلِ انسانی پر ایک بدنما داغ ہوتا کہ اشرف المخلوقات کی اصلاح کرنے والا خود اس نوع میں سے نہیں ہے۔ بلکہ

[1] القرآن: آل عمران

اس کا تعلق کسی اور نوع سے ہے۔ پھر وہ نوعِ انسانی کے لئے نمونہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ نمونہ کے لئے اسی نوع میں سے ہونا ضروری ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بشریت کا مسئلہ صرف حدیثی مسئلہ نہیں۔ بلکہ قرآنی مسئلہ ہے، کیونکہ قرآنِ پاک ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد جگہ مختلف انداز میں اس کا تذکرہ کرتا ہے۔ اس سے اگر اور تجاوز کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مسئلہ ایک مشاہدہ کا بھی مسئلہ ہے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی پیدائش سے لیکر ان کے مدفون ہونے تک قریباً قریباً بشریت کے تمام ادوار میں سے انہیں گزرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ احادیث و سیر کی کتابوں میں بالتفصیل مذکور ہے۔ تو گویا جو آدمی انبیاء کی بشریت کا انکار کرتا ہے۔

وہ نہ صرف قرآن و حدیث کا منکر ہے۔ بلکہ اپنے مشاہدہ کا بھی انکار کرتا ہے۔ لیکن ہوا و خواہشات کے پردوں میں مستور لوگ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ جب تمام مخلوقات میں بشر ہی افضل و اشرف مخلوق ہے۔ تو پھر انبیاء کی بشریت کا انکار کر کے ان کو کس مخلوق میں شامل کیا جائے گا۔

افسوس ہے کہ بعض ناسمجھ اور مقامِ نبوّت سے ناآشنا لوگ انبیاء علیہم السلام کو افضل ترین نوع سے نکال کر کسی نامعلوم نوع میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس پر پھر "حبّ رسولؐ" کا دعویٰ ہے

بسوخت عقل ز حیرت ایں چہ بوالعجبی است

اہلِ عرب بھی آجکل کے بعض ناسمجھ لوگوں کی طرح یہی سمجھتے تھے کہ انسان کی راہنمائی کے لئے انسان نہیں بلکہ انسان سے کوئی اونچی مخلوق ہونی چاہئے اور وہ مخلوق فرشتوں کی مخلوق ہے۔ لیکن قرآنِ حکیم نے بار بار اس خیالِ باطل کی تردید کی۔ اور صاف الفاظ میں کہا۔ اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے تو پھر فرشتوں کو ان کے پاس نبی اور رسول بنا کر بھیجا جاتا۔ لیکن چونکہ زمین پر بسنے والے فرشتے نہیں بلکہ انسان ہیں۔ لہٰذا ایک انسان ہی ان کا نبی اور رسول ہو سکتا ہے۔ اگر انسانوں میں فرشتہ بھی آتا تو وہ بھی انسانی ہیکل ہی میں آتا تو ایسی حالت میں تم اس فرشتہ کو فرشتہ کب مانتے۔ (باقی صفحہ پر)

صفحہ ۵ سے آگے حق کیا ہے؟ اور کیا انہیں عوامی سطح پر اپنے ان خیالات کے اظہار کا حق ہے جن سے پاکستان کے سوادِ اعظم اور عالمِ اسلام کے مسلمانوں کی دل آزاری ہو اور ملک میں افتراق و انتشار کی فضا پیدا ہونے کا امکان ہو۔ ؟ جسطرح اس ملک میں ان ذاتی نظریات کے پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی جن سے ملک کے استحکام اور بقاء کو خطرہ ہو، اسی طرح ان ذاتی نظریات کو پیش کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جاسکتی جن سے اسلام اور مسلمانوں کے جذبات مجروح ہو سکتے ہوں۔

از مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی
استاد حدیث مدرسہ عربیہ کراچی

ڈاکٹر فضل الرحمٰن اپنے اصلی روپ میں

کیا کمیونزم بیسویں صدی کا کامیاب مذہب ہے؟

روزنامہ جنگ مورخہ ۲۱ مئی ۱۹۶۶ء میں ڈاکٹر فضل الرحمٰن کی طرف منسوب دو بیان نظر سے گذرے
ان دو بیانوں کو بغور پڑھنے کے بعد ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ یہ بیان یا تو کسی ایسے شخص کے ہو سکتے ہیں،
جو شدید قسم کے اعصابی امراض میں مبتلا اور دماغی توازن بالکل کھو چکا ہو یا کسی ایسے شخص کے ہو
سکتے ہیں جو اسلام اور ملتِ پاکستان کے خلاف کسی منظم سازش میں شریک اور دشمنانِ اسلام
کا چالاک اور عیار ایجنٹ ہو اور جس کا مقصد اسلام اور پاکستان کا نام لے کر دونوں کی جڑیں
کاٹنا اور ان کو منہدم اور تباہ کرنا ہو۔ بہرحال یہ بیان کسی ایسے شخص کے ہرگز نہیں ہو سکتے۔ جو کچھ
بھی صحیح الدماغ ہو اور اسلام اور ملتِ پاکستان کے متعلق اپنے دل میں ذرا سی بھی ہمدردی اور
خیر خواہی رکھتا ہو۔ کیونکہ ان میں ایک طرف کھلا ہوا تضاد ہے۔ جو دماغی عدم توازن پر دلالت کرتا ہے۔
دوسری طرف ان میں اسلام اور پاکستان کے متعلق زہریلا پروپیگنڈہ ہے۔ جو اسلام اور پاکستان
دشمنی کی دلیل ہے۔ اور اس کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

مثلاً اس تضاد کو دیکھئے کہ ایک طرف اسلام اور قرآن کے نام کو ناجائز استعمال کر کے
یہ کہتے ہیں کہ "سرمائے پر سود لینا جائز ہے" گویا وہ دوسرے الفاظ میں یہ کہتے ہیں کہ "نظامِ سرمایہ داری
ایک صحیح نظام ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد ہی اس تصوّر پر ہے۔ کہ سرمایہ پر سود لینا جائز ہے" دوسری
طرف یہ کہتے ہیں۔ کہ "بیسویں صدی کا کامیاب مذہب کمیونزم ہے" مطلب یہ کہ کمیونزم ایک
صحیح نظام ہے۔ حالانکہ کمیونزم کی اساس اس تصوّر پر ہے کہ "سرمائے پر سود لینا جائز نہیں ہے"
تو ڈاکٹر صاحب بیک وقت دو متضاد نظریوں کو صحیح کہہ رہے ہیں۔ تضاد کے ساتھ ساتھ ان بیانوں
سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے۔ کہ یہ "محقق عصر" نہ اسلام کے معاشی نظام سے واقف ہیں اور نہ اشتراکیت
اور سرمایہ داری کے معاشی نظاموں کو جانتے ہیں۔ ورنہ وہ اس طرح کی مہمل باتیں نہ کہتے۔

اسی طرح دوسرا تضاد یہ دیکھئے۔ بیان میں کہتے ہیں کہ "مذہبی لیڈروں نے جدید حالات میں
اسلام کی تاویل نہ کر کے عوام سے زبردست غداری کی ہے" یعنی ان کو جدید حالات کے مطابق
اسلام جو تاد انکو [illegible]

کے لئے اسلام کی تاویل سے نفسیاتی نقصان پہنچا ہے۔ یہ مسلمانوں کے لئے خطرناک صورت حال ہے۔ کیونکہ اگر وہ اپنی سوسائٹی کو بالکل جدید نالیں جیسا کہ آجکل ہو رہا ہے۔ تو اسلام بحیثیت ایک سماجی طاقت ختم ہو جائے گا۔" مطلب یہ کہ جدید حالات و ضروریات کے مطابق اسلام میں تاویل نہیں کرنی چاہیئے۔ غور فرمایا آپ نے کہ ڈاکٹر صاحب ایک ہی وقت میں ایک ہی چیز کو برا بھی کہہ رہے ہیں اور اچھا بھی، مذموم بھی کہہ رہے ہیں اور مستحسن بھی، بتلائیے یہ تضاد نہیں تو کیا ہے۔ اور کیا اس قسم کی متضاد باتیں کسی صحیح الدماغ آدمی کی زبان سے نکل سکتی ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا عیاّر اور انتہائی موقعہ پرست ہو۔

اب دوسرے پہلو کو لیجئے، ایک ایسا شخص جو ایک اسلامی حکومت کے ادارہ تحقیقات اسلامی کا سربراہ اور اسلامی مشاورتی کونسل کا ممبر ہو وہ ایک بین الاقوامی مذاہب کانفرنس میں پاکستان کے نمائندہ کی حیثیت سے یہ اعلان کرے کہ "بیسویں صدی کا کامیاب مذہب کمیونزم ہے"۔ دنیا اس کا مطلب سوائے اس کے کیا سمجھے گی کہ آج کی دنیا میں اسلام بھی ایک ناکام مذہب ہے۔ بتائیے یہ اسلام کے خلاف زہر اگلنا نہیں تو کیا ہے۔ اور پھر چونکہ ملت پاکستان کی بنیاد بھی "اسلام" ہے۔ اور دستور پاکستان میں بھی "اسلام" کو قانون کا اصل ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔ لہذا مذکورہ بیان سے جہاں اسلام کے وقار پر زد پڑتی ہے۔ اور وہ مجروح ہوتا ہے۔ وہاں لازماً ملت پاکستان اور دستور پاکستان کی بھی توہین و تحقیر ہوتی ہے۔ گویا وہ سب لوگ پرلے درجہ کے ناسمجھ اور بیوقوف ہیں جنہوں نے اسلام کے نام پر پاکستان بنایا اور جو اسلام کی بنیاد پر پاکستان کی تعمیر و ترقی چاہتے ہیں۔ بہر حال یہ بیان اسلام، ملت پاکستان اور دستور پاکستان سے "عدم وفاداری" بلکہ "غداری" کا کھلا ہوا ثبوت ہے ——

آخر میں ہم یہ عرض کریں گے کہ اخبار میں شائع شدہ بیان اگر واقعی ڈاکٹر فضل الرحمن کا بیان ہے۔ تو حکومت پاکستان پر لازم ہے کہ فوراً اس شخص کو ادارہ تحقیقات اسلامی کی ڈائریکٹری اور اسلامی مشاورتی کونسل کی ممبری سے علیحدہ کرے اور اسلام اور پاکستان کی توہین کے جرم میں اسکو عبرتناک سزا دے اور اس رقم کے عوض اسکی تمام املاک کو ضبط کرے جو اس نے گذشتہ سالوں میں ادارہ تحقیقات اسلامی سے وصول کی ہے۔ نیز اس کے پاسپورٹ کو ضبط کر کے باہر جانے کے تمام راستے اس کے لئے بند کر دے۔ اگر حکومت اس کے لئے کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھائیگی تو عوام یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ وہ فضل الرحمن سے متفق ہے ——

ہمیں امید ہے کہ حکومت عوام کو اس بدظنی اور غلط رائے قائم کرنے کا موقعہ نہ دے گی۔

ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے دینی تحریفات

حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی

بروز جمعہ اخبار جنگ کی اشاعت مورخہ ۲۱ مئی ۱۹۶۶ء کے پرچہ میں اسلامی ریسرچ اکیڈمی کے ڈائریکٹر فضل الرحمٰن کی ایک تجویز اور ان کا ایک بیان نظر سے گذرا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے ایسے بیانات یا تحریفاتِ دین قابلِ تعجب تو نہیں کیونکہ یہ عیب ان کا ایک مرض کہنہ ہو چکا ہے۔ اس تجویز میں انہوں نے زکوٰۃ کو محض ایک سرکاری اور انتظامی قسم کا ٹیکس قرار دیتے ہوئے اس کی شرح میں اضافہ کی سفارش کی ہے۔ اور کہا کہ یہ ٹیکس بنیادی طور پر اس لئے وضع کیا گیا تھا کہ ملک کی مختلف ضروریات پر صرف کیا جاسکے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس پر زور دیتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں پر شرح میں اضافہ کے ساتھ زکوٰۃ عائد کرنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ مولویوں نے اس سوال پر سرکاری حلقوں کو موثر طور سے اپنے حق میں ہموار کر رکھا ہے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف زکوٰۃ کے شرعی اور فقہی مفہوم سے اس قدر بھی واقفیت نہیں رکھتے جس قدر کہ فقہ کا ایک مبتدی طالب علم ہی رکھتا ہو۔ اور نہ ہی ان کو یہ خبر ہے۔ کہ زکوٰۃ کا مصرف کیا ہے۔ مقامِ حیرت وافسوس ہے۔ کہ ڈاکٹر صاحب کو جب اتنی بھی خبر نہیں کہ زکوٰۃ ایک ٹیکس ہے۔ یا اسلام کے بنیادی ارکان میں نماز کی طرح ایک رکنِ عظیم اور اہم ترین عبادت ہے تو ان کو ضرورت کیا پیش آئی تھی۔ کہ اس قسم کی تحقیق و تدقیق میں لگیں۔ انسان کو چاہیئے کہ بات ایسے موضوع پر کرے جس کی اسے کچھ خبر بھی ہو جسطرح نماز بنیادِ اسلام ہے۔ اور ایک عبادتِ مخصوصہ کا نام ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ بھی ایک فریضۂ متعینہ اور عبادتِ الٰہیہ ہے جس میں ذرہ برابر تغیر تبدل اسی درجہ کی ضلالت و گمراہی و تحریفِ دین ہے۔ جو فرائض صلوٰۃ کی ہیئت میں تغیر و تبدل کرنے کی ہو۔

موصوف نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے ملحدانہ خیال کو قرآنِ پاک کی طرف منسوب کرنے

میں کوئی جھجک نہ محسوس کی بلکہ اس سے آگے بڑھ کر سود کے جواز کا بھی حسب سابق فتویٰ صادر کر ڈالا جس کی حرمت پر تمام امت مسلمہ کا ایمان ہے۔ دائرہ اسلام میں رہنے کا دعویٰ کرتے ہوئے سود جیسی حرام در حرام چیز کو جائز کہہ دینا نہایت ناپاک جسارت اور دیدہ دلیری ہے۔ سود کی حرمت دنیا جانتی ہے۔ جس کو قرآن کریم اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت نے زنا چوری اور قتل نفس کی طرح ناپاک، اور حرام اور اسلامی معاشرت کا بدترین جرم قرار دیا ہے۔ اسی پر تمام امت اسلام لائی ہے۔ اور اسی پر اس کا ہمیشہ ایمان قائم رہے گا۔

اسلام پر یہ عمل جراحی اور آپریشن ڈاکٹر صاحب کا پرانا شیوہ ہے۔ اسی کو آج بھی انہوں نے دہرایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جب تک مسلمانوں کا ایمان قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ مبارک پر ہے۔ کوئی بھی مسلمان ان کی یہ باتیں سننا گوارا نہیں کر سکتا سود کی حرمت قرآن کریم کا صریح واضح اور اٹل قانون ہے۔ اور اللہ رب العزت کا محکم فیصلہ ہے۔ جس کو ایک ڈاکٹر تو کیا لاکھوں جراح الاسلام بھی مل کر ذرہ برابر بھی نہیں بدل سکتے۔ پھر ذرا اس جرأت مجرمانہ کا اندازہ فرمایا جائے کہ ڈاکٹر صاحب ان علماء اسلام کو جو آج تک اسلامی اصولوں کی حفاظت پر اپنی زندگیاں قربان کرتے چلے آئے ہیں۔ عام مسلمانوں سے غداری کا مرتکب ٹھہراتے ہوئے اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کی ایک اور ناپاک جسارت کر رہے ہیں۔ اس کا یہ غیظ و غضب اسی بنا پر ہے۔ کہ ان علماء نے مسلمانوں کے لیئے سود جیسی حرام چیز کے جواز کا راستہ کیوں نہیں نکالا۔ چنانچہ اس پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اور قدیم مکتب فکر کا اختیار کردہ موقف قرآن مقدس کے احکامات کے صریح منافی ہے۔ اور کہا کہ یہ مذہب کی اسپرٹ کے منافی نہیں ہے اور اس کا جواز موجود ہے۔ اور اس سوال پر مذہبی لیڈروں نے غلط تاویل کی ہے۔ کیونکہ قرآن سود جارج کرنے کے سوال پر خاموش ہے۔ مذہبی لیڈروں نے جدید حالات میں اسلام کی تاویل پیش نہ کر کے عوام سے زبردست غداری کی ہے۔ (بحوالہ اخبار جنگ ۲۱ مئی ۱۹۶۶ء) افسوس ڈاکٹر صاحب ایک اسلامی ملک میں رہتے ہوئے کھلم کھلا اسلام کے بنیادی اصول مسخ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور جو علماء بقول ان کے مذہبی لیڈر سود کے جواز کے کوئی تاویل نہیں تلاش کرتے وہ عوام سے زبردست غداری کر رہے ہیں۔ ان علماء پر ان کا یہ غیظ و غضب سوائے اس کے اور کسی وجہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ علماء الحاد اور تحریفات دین

کی چالیں اس ملک میں آزادی کے ساتھ نہیں چلنے دیتے۔ اس کے سوا اور کوئی تصور ان علماء کا معلوم نہیں ہوتا۔ ہمیں تو یہ توقع نہیں ہونی چاہئے تھی کہ جس ملک کی بنیاد اور تعمیر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ہے۔ اسی ملک میں کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ میں کھلم کھلا باغیانہ جسارت ——— اور ناپاک جرأت اختیار کر سکے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ سود چارج کرنے کے سوال پر قرآن خاموش ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قرآن پڑھا ہی نہیں۔ اگر پڑھتے تو کلام اللہ میں ان کو یہ آیت بھی ملتی احل اللہ البیع وحرم الربوا۔ اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔ اور یہ آیت بھی وہ پاتے : یاایھا الذین امنوا تقوا اللہ وذروا مابقی من الربوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ ۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس سود کو بھی چھوڑ دو جو (زمانہ جاہلیت کے سود میں سے) باقی رہا ہو۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ پس اگر تم نے یہ نہ کیا تو بس اعلان سمجھ لو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لڑائی کا۔ (بقرہ) اور اگر ڈاکٹر صاحب نے تفسیر کی کوئی کتاب دیکھی ہوتی تو ان آیات کی تفسیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک بھی ملتا۔ عن جابرؓ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربو وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواءٌ ۔ (صحیح مسلم)
حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے پر اور اس کے کھلانے والے پر اور لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر اور فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں۔ عن عبد اللہ بن حنظلۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درھم ربو یاکلہ الرجل وھو یعلم اشد من ستۃ وثلثین زنیۃ۔ (رواہ احمد بیہقی) ایک درہم سود کا جو انسان کھائے درآنحالیکہ وہ اس کو جانتا ہے۔ کہ یہ سود ہے چھتیس [۳۶] زنا سے بھی زیادہ سخت اور بدتر ہے تفصیل کے لئے آیات و روایات کلام اللہ و احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرمائی جائیں۔

ڈاکٹر صاحب کے اس قسم کے بیان کے بعد اسلامی اصول و قوانین کی رو سے ڈاکٹر صاحب کا کیا مقام ہو سکتا ہے ؟ اس بدنصیب اسلامی ریسرچ اکیڈمی کے ان ڈائرکٹر صاحب نے امریکہ کی ایک یونیورسٹی کی مذاہب کانفرنس میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے خود ہی اپنا مقام تجویز کر لیا تو ہم کو یہ کہہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ اپنا نام اہل اسلام کی فہرست

میں شمار کرانے کے بجائے اسی مذہب میں تشریف لے جائیے۔ یعنی تشریف لے جانے کا اعلان کر دیجئے جس کو آپ اس صدی کا کامیاب مذہب تصور کر رہے ہیں۔ اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں کہ آپ اپنا نام مسلمان ظاہر کرتے رہیں۔ اور کمیونزم کو کامیاب مذہب قرار دیتے رہیں۔ اگر آپ نے یہ بات (جو جنگ کی اشاعت ۱۲ مئی صفحہ ۱۰ پر ہے) بحالت ہوش و حواس کہی ہے۔ تو پھر ہم کو یہ کہنے کی اجازت دی جائے۔ کہ آپ علی الاعلان اس مذہب میں جو آپ کو کامیاب معلوم ہو رہا ہے۔ شمولیت فرمالیں۔ افسوس کہ یہ بدنصیب اسلامی ریسرچ اکیڈمی کے ڈائریکٹر کے خیالات ہیں جن کو دیکھ کر یقین نہیں کیا جا سکتا کہ کسی مسلمان کے زاویہ خیال میں ایسے تصورات آ سکتے ہیں۔ اسلام مسلمانوں کی بیش بہا متاع ہے۔ مسلمان ہر نقصان گوارا کر سکتا ہے لیکن اس کو یہ چیز ہرگز گوارا نہیں ہو سکتی کہ امت محمدیہ میں شمار ہونے والا کوئی فرد یا جماعت یہودیوں کی طرح دین میں تحریفات کرتی رہے۔ اور من مانی تاویلوں سے شریعت کو بازیچہ طفلاں بنا دے اس لئے ہر پاکستانی مسلمان پر یہ لازم ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی اس تجویز اور بیان سے جو غم و غصہ عام مسلمانوں میں پیدا ہوا اس سے حکومت کو مطلع کرے اور اس بات کی درخواست کرے کہ اسلامی مشاورتی کونسل ایسے جید اور مستند علماء اسلام پر مشتمل ہو جن کی علمی و عملی زندگی اسلام کی ترجمانی کرتی ہو۔ ان کے علوم کا سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہو۔ عامۃ المسلمین ان کے [illegible] و تقویٰ اور علوم قرآنیہ حدیث و تفسیر اور فقہ اسلامی میں ان کی مہارت و تبحر پر اعتماد کرتے ہوں اور عام مسلمان ان کے فتویٰ اور ان کے قول کو حجت سمجھتے ہوں اور اس پر عمل کرتے ہوں نہ یہ کہ اس کونسل کا ڈھانچہ ایسے افراد پر مشتمل ہو جن کی تحقیقات و تدقیقات یورپ و امریکہ کے درس سے حاصل کردہ اور ان کے دسترخوان پر پڑے ہوئے چند پس خوردہ ٹکڑے ہوں ــــــ

ہمیں امید ہے۔ کہ بہت جلد ان جذبات کو حکومت تک پہنچایا جائے گا۔ کہ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ سے ہمیں سخت رنج و غم ہے جو انہوں نے علماء اسلام اور اسلام کے حق میں کہے۔ ان کا یہ طرز یقیناً اس بات کا موجب ہے۔ کہ ان کو بلا کسی مہلت کے اس بورڈ سے الگ کیا جائے اور حکومت ان کو اس بات پر مامور کرے۔ کہ وہ ان دل خراش باتوں پر مسلمانوں سے معافی مانگے۔ یہ ایک دینی فرض تھا جس کی طرف متوجہ کر دیا گیا۔ حق تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت فرمائے اور زائغین و ملحدین کے فتنوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین۔ والسلام

حضرت مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ کا ایک مکتوب
بنام مولانا رحمت اللہ فاضل حقانیہ

خلائی کارنامے اور اسلام

جناب عالی! ماہنامہ الحق مئی ۱۹۶۶ء میں جناب والا کا مختصر مگر جامع مضمون "روس اور امریکہ کے خلائی کارنامے اور اسلامی تعلیمات" کے عنوان سے دیکھ کر بے انتہا خوشی حاصل ہوئی۔ جدید تعلیم یافتہ اور سائنس سے متاثرہ اذہان کیلئے اکسیر اور اس طبقہ کیلئے جو خلائی کارناموں کی وجہ سے اسلامی تعلیمات کے متعلق شکوک و شبہات رکھتا ہو تسلی بخش جواب ہے۔

محترمی! جناب والا نے ستاروں کا متعلق بین السماء والارض والی روایت بحوالہ علامہ آلوسیؒ ابن عباسؓ کیطرف منسوب کی ہے لیکن علامہ نسفیؒ مدارک التنزیل ج ۳ ص۱۵ میں آیت کل فی فلک یسبحون کے تحت لکھتے ہیں۔ عن ابن عباسؓ الفلک السماء والجمہور علی ان الفلک موج مکفوف تحت السماء تجری فیہ الشمس والقمر والنجوم۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ موج مکفوف والی تفسیر ابن عباسؓ کی نہیں ہے۔ نیز صاحب تفسیر مظہری ج ۶ ص۲۷۶ میں آیت بالا کے تحت مختلف اقوال نقل کرتے ہوئے آخر میں فرماتے ہیں: وقال الآخرون الفلک موج مکفوف دون السماء تجری فیہ الشمس والقمر والنجوم قلت والصحیح ان المراد بالفلک السماء۔ گویا بیہقی العصر حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب پانی پتی بھی موج مکفوف والی توجیہہ کو صحیح نہیں مانتے۔ اس کے علاوہ شیخ عبدالرحمٰن اپنی تالیف کتاب قرۃ عیون الموحدین فی تحقیق دعوت الانبیاء والمرسلین میں رقم طراز ہیں ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح الآیۃ وفیہ اشارۃ الی ان النجوم فی السماء الدنیا کما روی ابن مردویہ عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اما السماء الدنیا فان اللہ خلقہا من دخان وجعل فیہا سراجا وقمرا منیرا وزینہا بمصابیح وجعلہا رجوما للشیاطین وحفظا من کل شیطان الرجیم۔ نیز اگر سماء الدنیا سے بھی موج مکفوف مراد لیا جائے تو معراج والی حدیث جسکو متعدد صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔ اور جسکو امام بخاری نے اپنے صحیح جلد ۱ ص۵۵ میں یہ روایت مالک بن صعصعۃ ان الفاظ سے نقل کیا ہے۔ فانطلقت

مع جبریل حتی اتینا السماء الدنیا ـ الخ اور پھر اسی سماء الدنیا میں حضرت آدمؑ کے ساتھ ملاقات ہونے سے کیا مراد لیا جائے گا؟ جناب والا کی معروفیات حد سے بڑھی ہوئی ہیں۔ مگر یقین ہے کہ اس بارہ میں تشفی فرمادیں گے ـــــــ

محمد حکمت اللہ ۔ تنگی ۔ چارسدہ

الجواب مختصراً

ـــــــ ابن عباسؓ کی روایت موج مکفوف بو روح المعانی میں ہے۔ وہ مفسر ہے۔ اور مدارک نسفی کی روایت مجمل ہے۔ کیونکہ کل ما علاک فھو سماءٌ اور فلیمدد بسبب الی السماء ای السقف باتفاق المفسرین سما آسمان اور موج دونوں کو شامل ہے۔ اس کے علاوہ نسفی نے اس روایت کی سند بھی نہیں لکھی۔ اسی طرح ابن مردویہ کی روایت ابن مسعودؓ بھی ضعیف ہے۔ ابن مردویہ کی مسند کتب ضعیفہ میں سے ہے۔ جس میں رطب ویابس دونوں ہیں۔ دیکھو حجۃ اللہ البالغہ بحث طبقات کتب الحدیث۔ اس کے علاوہ زینا السماء الدنیا بمصابیح کی طرح اسکی تاویل ہوسکتی ہے۔ جیسے آلوسیؒ نے روح المعانی میں کی ہے۔ مظہری نے تبعاً لعلم الہیئۃ لکھا ہے۔ کتاب وسنت کی دلیل پیش نہیں کی۔ ایسی روایات کو آلوسی نے ج ۔ ص ۱۲۵ میں لا یعول علیہا کہا ہے۔ تعارض عقل ونقل کے قواعد مسلمہ کی رو سے مشاہدہ قطعیہ کے مقابلہ میں ضعیف روایت تو کیا صحیح روایت کی تاویل بھی لازمی ہے۔ لان العقل الصحیح والنقل الصحیح لا یتعارضان اذ لا تعارض بین الصادقین۔ معراج والی بات عجائبات میں سے ہے۔ حضور کا معراج میں حضرت آدمؑ سے سماء الدنیا میں ملاقات کرنے سے یہ امر کسطرح ثابت ہوتا ہے۔ کہ ستارے آسمانوں میں ہیں۔ بلکہ آسمانوں میں ستاروں کے متعلق آلوسی نے دعون الارض شلھن کے تحت لکھا ہے۔ ولم یقم علیہا دلیل بلکہ جملہ احادیث معراج ستاروں کا آسمانوں میں نہ ہونے پر دال ہیں۔ ورنہ اس سفر میں کم ازکم ستاروں پر مرور کا تذکرہ ہوتا جیسے دیگر اشیاء کا ہوا ہے ـــــــ مثلاً جنت سدرۃ المنتہی اور انبیاء علیہم السلام۔

فقط والسلام

شمس الحق افغانی بہاولپور
۱۷ مئی ۱۹۶۹ء

از حضرت مولانا قاری محمد امین صاحب ۔ راولپنڈی

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

نزولِ وحی کا سلسلہ بند ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے تجدیدِ شریعت محمدی کے ہزار سال بعد حضرت شیخ احمد سرہندی امام ربانی مجدد الف ثانی کو اس دنیا میں بھیجا تاکہ دنیا آپ کی ذات بابرکات سے فیضیاب ہو سکے اور دینِ اسلام کو فروغ حاصل ہو۔۔۔۔ ۱

آپ کا خاندان فاروقی شیوخ کا ایک خاندان پنجاب کے مشہور شہر سرہند میں کابل سے آکر آباد ہو گیا۔ آپ کے والد ماجد جن کا اسم گرامی شیخ ہے اسی خاندان سے ہیں۔ آپ ظاہری و باطنی کمالات سے مزین ہیں۔ فیوض و برکات کا سرچشمہ ہیں سیدنا عبد القدوس گنگوہی کے خلیفہ ہیں جس طرح فیوض باطنی سے اربابِ طریقت مریدین بہرور ہوتے رہے۔ اسی طرح علومِ ظاہری کے طلبا بھی اطراف و اکناف سے تشنہ لب حاضر ہوئے اور سیراب ہو کر واپس جاتے۔ آپ کا سلسلہ نسب ستائیسویں پشت میں حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے۔

بشارت آپ کے والد ماجد ایک رات آرام فرما رہے ہیں۔ قلب مبارک ملأ اعلیٰ کی طرف متوجہ ہے۔ کہ دفعۃً ایک خواب نظر آیا کہ تمام جہان میں تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔ سور۔ بندر۔ ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ یکایک سینہ سے ایک نور نکلتا ہے جس میں ایک تخت نمودار ہوتا ہے۔ تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے۔ اس کے سامنے تمام ظالم بے دین ملحد بھیڑ بکری کی طرح ذبح کئے جا رہے ہیں۔ اور کوئی شخص بلند آواز سے کہہ رہا ہے۔ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۔ حق آیا۔ باطل فنا ہو گیا باطل اسی لئے ہے کہ فنا ہو۔ شیخ بیدار ہوئے تو ایک مسرت آمیز حیرت تھی۔ مزید اطمینان کے لئے اپنے زمانہ کے مرشدِ کامل شاہ کمال کیتھلیؒ سے تعبیر دریافت کی۔ شاہ صاحب

نے فرمایا کہ تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس سے الحاد و بدعت کی ظلمت دور ہو جائیگی۔

حضرت کی پیدائش کی بشارتیں بہت سے بزرگان دین کو ہو چکی تھیں۔ آپ کی پیدائش ۱۴ ارشوال ۹۷۱ھ جمعہ کی شب صبح صادق سے پیشتر ہوئی۔ تنویر کا آفتاب طلوع ہوا۔ الف ثانی کی قسمت جاگی۔ علم و عرفان کی اجڑی ہوئی بستی پھر آباد ہونے لگی۔ آپ کا اسم گرامی احمد تجویز ہوا لقب بدرالدین۔ آپ نے بچپن ہی میں قرآن حکیم حفظ کر لیا۔ اور اکثر کتب درسیہ آپ نے والد ماجد سے پڑھیں اور کچھ سرہند کے دیگر علماء سے تحصیل طریقت ابتداء آپ نے اپنے والد ماجد سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی اور اس کا سلوک تمام کیا۔ پھر طریقۂ قادریہ بھی اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔

المختصر، ۱۷ سال کی عمر میں آپ ظاہری و باطنی کمالات کے جامع ہو کر اپنے والد کے سامنے ہی کتب درسیہ کی تعلیم اور طریقہ کی تلقین فرمانے لگے۔ مگر قلب میں طریقۂ نقشبندیہ کا شوق بہت تھا۔ جو بڑھتے بڑھتے عشق کی حد تک پہنچ گیا۔ جب ۱۰۰۷ھ میں آپ کے والد نے دار فانی سے رحلت فرمائی۔ اور آپ بارادۂ حج بیت اللہ اپنے وطن سے روانہ ہو کے دہلی پہنچے تو ملا حسن کشمیریؒ سے ملاقات ہوئی جن سے پہلے سے شناسائی تھی انہوں نے برسبیل تذکرہ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا۔ جو اطراف کابل کے باشندے تھے اور ہندوستان میں سلسلۂ نقشبندیہ کی ترویج کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔

چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

ایں تخم پاک را از سمرقند و بخارا	اس پاک تخم کو سمرقند و بخارا سے لائے
آوردیم در زمین برکت آگین ہند	اور ہندوستان کی زمین برکت آگین میں
کشتیم الحمد للہ کہ بعنایت الٰہی شجرہ	بویا۔ الحمد للہ کہ خداوند عالم کی عنایات
طیبہ اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء	سے ایسا درخت بن گیا جسکی جڑیں زمین
ظاہر شد۔	میں ہیں اور پھونگل آسمان میں۔

ملا حسن کشمیری جیسے ہی سلسلہ نقشبندیہ کے کامل مرشد کا تذکرہ سنا زیارت کا شوق اسطرح پیدا ہوا جو سالہا سال سے آرزو مند مشتاق کو ہونا چاہیے۔ آپ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے عام عادت کے برخلاف شفقت فرمائی۔ اور ڈھائی سال دہلی میں قیام فرمایا۔ جو دل پہلے سے صیقل تھا وہ اس مدت میں کندن ہو گیا۔ اس ملاقات میں خواجہ صاحب نے فرمایا

کہ نسبت نقشبندیہ کامل طور سے حاصل ہو گئی ہے۔ قرب خداوندی میں ترقی کی امید ہے۔ دوسری مرتبہ کی حاضری میں خلافت عطا فرما کر خاص خاص اصحاب کو تعلیم کے لئے مجدد صاحب کے سپرد کیا۔ تیسری بار خواجہ صاحب نے چند قدم چل کر استقبال فرمایا۔ بشارتیں سنائیں جب رخصت ہونے لگے تو فرمایا کہ ہندوستان آنے سے پہلے میں نے استخارہ کیا، معلوم ہوا ایک شیریں نغمہ خوبصورت طوطا میرے ہاتھ پر آکر بیٹھ گیا۔ میں اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈال رہا ہوں اور وہ اپنی چونچ سے میرے منہ میں شکر ڈال رہا ہے۔ میں نے اپنے مرشد خواجہ سے بیان کیا۔ فرمایا ہندوستان میں تمہاری تربیت سے کوئی ایسا شخص ہوگا جس سے ایک عالم منور ہو اور تم کو بھی اس سے حصہ ملے۔ اس قسم کی بہت سی بشارتیں سنا کر رخصت کیا۔

عبادت، حسن معاشرت، ذکر و شغل، حسن اخلاق بیشک بیش بہا جواہر ہیں، انمول موتی ہیں۔ دین و دنیا کی سعادت عظمیٰ کا راس المال ہیں۔ مگر مجددیت کا اثبات ان چیزوں سے نہیں کیا جاتا۔

مجدد کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان رخنوں اور کوتاہیوں کو دور کرے جو اہل ملت کی افراط و تفریط کے باعث ملت میں پیدا ہو گئے ہیں۔

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت ختم کر دیا گیا۔ اہم سوال یہ تھا کہ انسانی طبقات کی فطری کجروی یا شیطانی وسیسہ کا جو بسا اوقات غیر دین کا رنگ دے کر یا ارکان دین کو غیر ضروری مان کر دجل اور آمیزش سے ایوان دین کو متزلزل کر دیا کریگی اسکا تدارک کیا ہوگا۔ اس کے علاج کیلئے امت اسلامیہ کے پختہ کار ربانی علماء ہر زمانہ میں موجود رہیں گے جو راہ مستقیم پر جم کر متوسلین کو بھی سیدھی راہ بتاتے رہیں گے ـــــ

ان دنوں جلال الدین اکبر ہندوستان کا بادشاہ تھا۔ اس کا ستارہ عروج پر تھا۔ غیر مسلم عورتوں کو حرم کی زینت بنا کر ان کے لواحقین کو اندھا دھند جاگیریں بخشی جا رہی تھیں۔ غیر مسلموں نے بادشاہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔ اسی زمانہ میں اکبر نے دین الٰہی کے نام سے ایک مذہب کی بنیاد رکھی اور یہ مذہب رعایا پر ٹھونسنا شروع کر دیا۔ حضرت کفر کے اس طلسم کو باطل کرنے کیلئے سرہند سے تشریف لائے اور اکبر کے مقربین کو مل کر ارشاد فرمایا۔ کہ میری طرف سے بادشاہ اکبر سے کہہ دو۔ کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا باغی ہو گیا ہے۔ اور اسکی بادشاہیت، طاقت، فوج ہر چیز فنا ہو جائیگی، وہ توبہ کرے اور خداوند تعالیٰ کا تابع ہو جائے۔ لیکن اکبر نے اس پر کوئی توجہ نہ کی اس کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اور اس برائی پر ڈٹا رہا اور آخر چل بسا ـــــ اکبر کے بعد

جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو وہ بھی اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلنے لگا۔ ملک میں بدامنی پھیلنے لگی۔ ایسے موقع پر عوام نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ بادشاہ کو نصیحت فرمائیں ۔
حضرت نے اپنے خلیفہ شیخ بدیع الدین کو دینِ حق کی تبلیغ کے لئے لشکر شاہی دیکر روانہ فرمایا۔ لشکریوں کی کثیر تعداد ان کے تابع ہوگئی۔ مخالفین نے بادشاہ کو حضرت کے خلاف بھڑکایا۔ اور یہ الزام تراشا کہ حضرت حکومت کا تختہ الٹنے کی تدبیر کر رہے ہیں۔ بادشاہ یہ سنکر سخت پریشان ہوا۔ اور حضرت کے خلاف ہوگیا —— بادشاہ نے حضرت کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا ۔
حضرت جب وہاں پہنچے تو کئی ہزار غیر مسلم بھی قید تھے۔ حضرت نے تبلیغ کی ان کو مشرف بہ اسلام کیا اور سینکڑوں آدمیوں کو ارادت سے سرفراز کر کے درجات ولایت پر پہنچایا۔
حضرت شیخ نے زمانہ قید میں کبھی بھی بادشاہ کو بد دعا نہیں دی۔ بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر بادشاہ مجھے جیل خانہ میں نہ بھیجتے تو اتنے نفوس دینی فوائد سے کیسے بہرہ اندوز ہوتے۔ اور ہمارے مراتب کی ترقی جو اسی مصیبت کے نزول پر منحصر تھی کیسے حاصل ہوتی۔ آپکے حلقہ بگوش صوفیاء کرام جو چاہتے تھے کہ بد دعا کر کے باطنی تصرفات سے بادشاہ کو نقصان پہنچائیں۔ ان کو خواب میں نیز بیداری میں منع فرمادیا کرتے تھے۔ ذیل کا مکتوب جیل خانہ سے بنام فرزند گرامی خواجہ محمد معصوم صاحب قدس سرہٗ حمد و نعت کے بعد تحریر فرمایا :

فرزندان گرامی —— وقت آزمائش تلخ و بے مزہ ہے۔ لیکن اگر توفیق ہو تو غنیمت ہے۔ خدا خیریت رکھے ملاقات ہو یا نہ ہو ہماری نصیحت یہی ہے کہ اپنی کوئی مراد یا ہوس باقی نہ رہے۔ جو کچھ ہو رضا الٰہی اور ارادہ خداوندی ہو حتیٰ کہ میری رہائی جو آج کل تمہارا مقصود بنا ہوا ہے وہ بھی مقصود و مراد نہ رہے اور اللہ کی مقرر کردہ تقدیر۔ اور اس کے ارادہ و مرضی پر پوری طرح راضی ہو جاؤ۔ اور اپنی والدہ کو بھی یہ مضمون پوری طرح سمجھا دو۔ چھوٹوں پر مہربانی کرو۔ پڑھنے کی رغبت دیتے رہو۔ جہاں تک ہو سکے اہل حقوق کو ہماری طرف راضی رکھو۔ حویلی۔ سرا۔ کنواں باغ اور کتابوں کا غم بہت معمولی بات ہے۔ اگر ہم مر جاتے تب بھی جاتی رہتیں۔ اب زندگی میں جاتی رہیں، کوئی فکر نہیں۔ اولیاء اللہ ان چیزوں کو خود چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ اب شکر ادا کرو خدا نے اپنے اختیار سے ان چیزوں کو چھوڑوادیا —— آج کل جب فرصت میسر آئے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے کام میں مشغول رہو۔ فرصت کا ایک لمحہ و لحظہ بے کار ضائع نہ کرو ۔
تین چیزیں ہیں۔ تلاوت قرآن مجید۔ طول قرأت کے ساتھ نماز ادا کرنا اور کلمہ طیبہ کا ورد ۔

مخالفین نے جس پارٹی کو شکست دینا چاہا۔ مجدد صاحب کی صداقت ، نیک نیتی ، مخلصانہ تدبیر

صبر و استقلال نے اسکو پہلے سے زیادہ مضبوط کر دیا۔ تکفیر و ارتداد کے فتاوے بھی بیکار ہو گئے۔
دو سال بعد رہائی ہوئی۔ جہانگیر نے کشمیر آتے جاتے دو مرتبہ سرہند شریف میں قیام کیا۔
حضرت امام ربانی کا مہمان بننے اور آپ کے باورچی خانہ کا کھانا کھانے کا شرف حاصل کیا۔ کھانا اگرچہ سادہ تھا مگر بادشاہ نے کہا کہ میں نے ایسا لذیذ کھانا کبھی نہیں کھایا۔ نیز یہ کہ جہانگیر آخر عمر میں کہا کرتا تھا۔ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو، البتہ میرے پاس ایک دستاویز ہے۔ اسکو اللہ کے سامنے پیش کروں گا، وہ یہ ہے کہ مجھ سے ایک روز شیخ احمد سرہندی نے فرمایا تھا۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں جنت میں لے جائے گا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے۔
وفات سے چند ماہ پہلے آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنی عمر تریسٹھ سال معلوم ہوتی ہے۔
اتباع سنت میں جسے اتنا شغف ہو بے اختیار چیزوں میں اللہ کی طرف سے اسکو سنت کی مطابقت عطا ہوتی ہے ــــ بتاریخ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ تریسٹھ برس کی عمر میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ جس رات کی صبح کو آپ اس دنیا سے جانے والے تھے۔ حسب معمول تہجد کی نماز کیلئے اٹھے اور بڑے اطمینان سے وضو کیا نماز پڑھی۔ خدام سے فرمایا کہ تم لوگوں نے تیمار داری سے بہت تکلیف اٹھائی، اب آج یہ تکلیف ختم ہے۔ آخیر وقت میں ذکر اسم ذات کا بہت غلبہ تھا، ذکر کرتے کرتے روح مبارک رفیق اعلیٰ سے مل گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ▲▲

چین — اور — مسلمان

چین اور عرب ممالک ایک دوسرے سے بہت دور واقع ہیں۔ لیکن اس فاصلے کے باوجود ان کے درمیان صدیوں پہلے سے تعلقات قائم ہیں۔ طلوعِ اسلام سے قبل بھی چین اور عرب ممالک کے درمیان سلسلہ مواصلات موجود تھا۔ پھر داعیٔ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کون نہیں جانتا کہ "تحصیل علم کے لئے اگر چین بھی جانا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں"

اس ارشادِ گرامی سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ جزیرہ نما عرب کے لوگ مشرق میں چین سے پہلے ہی واقف تھے۔ اس ارتباط کا ذریعہ یا تو ایرانی تاجر تھے۔ یا وہ چینی تاجر جو عرب ملکوں میں آتے رہتے تھے — چین کے تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے۔ کہ طلوعِ اسلام کے بعد ۳۱ھ (۶۵۱ء) میں خلافت راشدہ کے زمانہ میں پہلا عرب سفارتی وفد چین پہنچا تھا۔ "تاریخ چین کی رو سے اس کے بعد ۱۴۷ سال کے دوران عربوں نے اپنے ۳۶ سفارتی وفود چین بھیجے —

چین کے بادشاہ سوان سونگ (۷۱۲ سے ۷۵۶ عیسوی) کے عہد میں سلطنت تانگ اور خلافت کے درمیان تین مرتبہ مسلح تصادم ہوا۔ ان میں سب سے زیادہ شدید لڑائی ۱۳۴ھ (۷۵۱ء) میں طلاس کے مقام پر ہوئی۔ اس لڑائی میں چینی فوج کو جس کی کمان کاؤ سی چی کر رہا تھا۔ عربوں کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی اور اسی مقام سے وسط ایشیا میں عربوں کے عروج اور تانگ خاندان کے زوال کی ابتدا ہوئی۔ لیکن اس کے چھ سال بعد دونوں میں دوستی ہو گئی۔ اور لوشان کی بغاوت کو کچلنے کے لئے عربوں نے اپنی فوج تانگ بادشاہ کی مدد کے لئے روانہ کی۔

چینی زبان میں اسلام کے بارے میں سب سے پہلے طوہوان نامی ایک شخص نے تحریری تذکرہ کیا۔ طلاس کی لڑائی میں وہ عربوں کے ہاتھوں قید ہوا۔ اور پھر گیارہ بارہ سال عرب میں گذار کر وہ ایک تجارتی جہاز میں واپس کینٹن پہنچا۔ اس نے اپنے تجربات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

عرب مملکت میں اس کی ملاقات چینی پارچہ بافوں، زرگروں، سادہ کاروں اور دوسرے صناعوں اور کاریگروں سے ہوئی!"

اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ چینی صناعت کے طریقے پہلے سے ہی عربوں میں رواج پاچکے تھے ـــــ

طوہوان کے بعد چیاطان نے ۸۰۱ء میں ایک جغرافیہ شائع کیا جس میں عرب ملکوں کی تفصیلی سیاست، تاریخ اور اس وقت تک کے عباسی خلفا کا تذکرہ تھا۔ ان دنوں خلیفہ ہارون الرشید برسرِ اقتدار تھے۔ جن کا دورِ حکومت ۷۸۶ء سے ۸۰۹ء تک رہا۔ اس طرح چین میں عرب ملکوں میں معلومات کا ایک اچھا خاصا خزانہ موجود تھا۔

ساتویں اور دسویں صدی عیسوی کے درمیان بہت سے عرب ایلچی تاجر اور سپاہی تانگ خاندان کے دورِ حکومت میں چین پہنچے اور انہی کے ساتھ اسلام بھی چین پہنچا۔ لیکن اس دور کے عربوں اور اسلام کے آثار بہت کم موجود ہیں۔ کئی مساجد اور مینار ایسے ہیں جن کے بارے میں عام طور سے مشہور ہے کہ وہ ان ابتدائی ایام کی یادگاریں ہیں۔ لیکن آثارِ قدیمہ کے ماہرین کی تحقیق پر یہ آثار بعد کے زمانے کے نکلے ہیں۔ ان کا تعلق منگ خاندان کے دورِ حکومت یعنی سولہویں صدی عیسوی سے ہے۔ کینٹن کی مسجد اور اس سے ملحقہ مقبرہ جو حضرت وقاص صحابی رسول سے منسوب ہے۔ اس کے بارے میں بھی آثارِ قدیمہ کے ماہر کوئی حتمی رائے قائم نہیں کر سکے۔ تانگ کے عہد کی تاریخ میں حضرت وقاصؓ کا کہیں تذکرہ نہیں۔ یہ روایت تیرھویں صدی عیسوی تک موجود نہیں تھی۔ ہاں یہ ممکن ہے۔ کہ کینٹن کا مینار دسویں یا تیرھویں صدی میں سونگ خاندان کے عہدِ حکومت میں تعمیر ہوا ہو ـــــ

اسی طرح چین کے صوبہ فوکین کی ایک پہاڑی پر بھی تین مزار ہیں۔ لیکن آثارِ قدیمہ کے ماہرین اس بارے میں بھی قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ممکن ہے یہ مزارات ان عرب تاجروں کے ہوں جو سونگ خاندان کے عہد میں اس شہر میں آباد ہوئے تھے جس کا نام عربوں نے خوزیتون رکھا تھا۔ اور عرب سیاح ابن بطوطہ نے جسے اپنے سفرنامے میں "دنیا کی سب سے بڑی بندرگاہ قرار دیا تھا ـــــ

حال ہی میں چین کے صوبہ شانسی کے علاقہ قستیان میں تانگ بادشاہوں کے مقبرہ سے عربوں کے تین سونے کے سکے ملے ہیں۔ اس مقبرہ کی دریافت اپریل ۱۹۶۴ء کے

دوران عمل میں آئی تھی۔ فروری ۱۹۶۵ء میں اس کی باقاعدہ کھدائی کی گئی۔ اس کا طرزِ تعمیر اُس دور کی عام تعمیرات سے پوری مطابقت رکھتا ہے۔

سیان، خاندان تانگ کے بادشاہوں کا دارالحکومت تھا۔ مقبرہ کا حجرہ اینٹوں کا ہے اور کمرہ چوکور ہے۔ اس مقبرہ کے نوادرات کو کئی بار لوٹا گیا اور اب سونے کے تین سکوں کے علاوہ جو کچھ ملا ہے۔ اس میں مٹی کے تین مرتبان، ایک چینی چکنی مٹی کا برتن، لوہے کی پانچ میخیں، کچھ ٹوٹے ہوئے مٹی کے برتن اور مجسمے اور انسانی ہڈیاں شامل ہیں۔

اس مقبرے سے برآمد ہونے والے سونے کے سکوں کے دونوں جانب عربی کے خطِ کوفی کی تحریریں ہیں، آیاتِ قرآنی کے علاوہ ان پر یہ بھی تحریر ہے کہ: "یہ دینار سن ــــ میں ڈھالا گیا"۔ یہ تینوں دینار مختلف سالوں کے بنے ہوئے ہیں۔ سب پر ایک طرف کلمہ طیبہ کندہ ہے۔ اور دوسری طرف مختلف آیاتِ قرآنی لکھی ہوئی ہیں ـــــ بسم اللہ کے الفاظ بھی ان پر موجود ہیں۔ پہلے دینار پر لکھا ہے: "اللہ کا نام سے کہ یہ دینار ۸۳ ہجری (۷۰۲ عیسوی) میں ڈھالا گیا"۔

دوسرا دینار ۱۰۰ ہجری یعنی ۷۱۸-۷۱۹ء کا ہے۔ اور تیسرا ۱۲۹ ہجری یعنی ۷۴۶-۷۴۷ء کا۔ دو کا وزن ۴ اعشاریہ ۳ گرام ہے۔ اور ایک کا ۴ اعشاریہ دو گرام۔ دو کا قطر دو سنٹی میٹر ہے اور ایک کا ایک اعشاریہ ۹ سنٹی میٹر ہے۔ ان سکوں پر جو الفاظ تحریر ہیں وہ ایسے ہی ہیں۔ جو وسط ایشیا کے سکوں پر اس زمانے میں لکھے جاتے تھے۔ یہ دَورِ بنی امیّہ کا تھا۔ خیال ہے یہ سکے دمشق میں ڈھالے گئے۔ جو ان دنوں خلافت کا صدر مقام تھا۔ ان کے اوزان اس زمانے کے دینار کے اوزان کے عین مطابق ہیں۔

طلوعِ اسلام کے بعد عرب حکمرانوں نے شروع میں تو اپنے الگ سکے نہیں ڈھالے بلکہ وہ شام عراق عرب اور مصر وغیرہ میں بازنطینی اور ایران کے ساسانی سکوں سے ہی کام لیتے رہے۔ لیکن پھر جلد ہی انہوں نے اپنے الگ سکے بنائے۔ مگر ڈیزائن وہی رکھا۔ ۷۷ ہجری میں (۶۹۶ء اور ۶۹۷ء) سکوں کے نظام میں دور رس اصلاحات کی گئیں اور شرعِ اسلامی کی رو سے سکوں پر کسی انسان یا جانور کی تصویر وغیرہ بنانا ممنوع قرار دیدیا گیا صرف آیاتِ قرآنی کندہ کرنے کا طریقہ اختیار کر لیا۔

سیان کے مقبرہ سے جو سکے درآمد ہوئے ہیں۔ ان کا تعلق انہی اصلاحات کے بعد کے

دور سے ہے۔ سب سے پہلا سکہ اصلاحات کے چھ سال بعد کا ہے۔ اور آخری ۵۲ سال بعد کا یعنی بنو امیہ کے زوال سے صرف ۳ سال پہلے کا۔ اس مقبرہ سے جو چیزیں ملی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے۔ کہ یہ ۸ ویں یا ۹ ویں صدی عیسوی میں بنا تھا۔ یہ وہ دور ہے۔ جب کہ خلافت بنو امیہ سے چھن کر بنو عباس کے پاس آچکی تھی۔ مقبرہ کی خصوصیات سے مترشح ہے کہ یہ مقبرہ ہوآن قومیت سے تعلق رکھنے والے کسی شخص کا ہے۔ ان دنوں سنیان میں عام رواج تھا کہ مرنے والے کے ساتھ سونا چاندی اور ملکی یا غیر ملکی سکے بھی دفن کر دیئے جاتے تھے۔ تانگ دور کے اکثر مقبروں سے سکے نکلتے رہے ہیں چین میں جہاں جہاں بھی عربوں کے مقبرے ہیں وسطی اور مغربی ایشیا کے مسلمانوں کے مقبروں کے فن تعمیر کے عین مطابق ہیں۔

ان مقبروں میں سے بعض کے لوحِ مزار پر عربی کی تحریریں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو مقبرہ دریافت ہوا ہے۔ وہ کسی ایسے عرب کا ہے جس نے چین کی ہوآن قوم کے رسم و رواج کو اپنا لیا تھا اس وقت جو تین عرب سکے ملے ہیں۔ وہ نہ صرف یہ کہ بنو امیہ کے عہد کے پہلے سکے ہیں، بلکہ ان میں سے ایک تو عہدِ اسلامی کا سب سے پہلا سکہ ہے۔ چینی ترکستان (سنکیانگ) میں اس سے قبل اسلامی دور کے جو سکے برآمد ہوئے تھے۔ وہ بہت بعد کے یعنی ۱۱ ویں صدی عیسوی کے تھے۔ اور ان میں سے بیشتر سنکیانگ ہی میں ڈھالے ہوئے تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں اسلام سنکیانگ تک پھیل چکا تھا۔

انہی قدیم سکوں میں سے ایک چاندی کا سکہ بھی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ امیر معاویہ کے دورِ حکومت میں ۲۸ ویں سن ہجری میں ڈھالا گیا تھا لیکن بعد میں تحقیق کرنے پر پتہ چلا کہ اس پر جو تحریر ہے۔ وہ عربی نہیں بلکہ پہلوی ہے۔ فارسی زبان میں اس پر جو حروف کندہ ہیں۔ ان سے ثابت ہو گیا کہ یہ سکہ ایران کے ساسانی شہنشاہ خسرو دوم کے زمانے کا ہے جس نے ۵۹۰ء سے ۶۲۷ء تک ایران پر حکومت کی۔ دوسرے یہ کہ امیر معاویہ ۲۸ھ ہجری میں برسر اقتدار نہیں آئے۔ ان کا دورِ حکومت ۴۱ھ اور ۶۰ھ کے درمیان تھا ۔۔۔ ان سکوں کی دریافت اس بات کا بین ثبوت ہے۔ کہ مسلمانوں کے ساتھ چین کے تعلقات شروع ہی سے قائم تھے۔ سونگ، یوآن اور مینگ خاندانوں کے دورِ حکومت میں یہ تجارتی، سفارتی اور ثقافتی تعلقات برابر بڑھتے رہے۔ لیکن سولہویں صدی عیسوی سے جبکہ یورپین سامراج نے مشرق پر یلغار کی یہ تعلقات دھندلے پڑ گئے۔ مگر اب جب کہ افریشیا میں آزادی کا سورج پوری آب و تاب کیساتھ چمک رہا ہے چین اور مسلمان ملکوں کے تعلقات صدیوں کے بعد پھر مضبوط بنیادوں پر مستحکم ہو رہے ہیں ۔۔۔

عالم اسلام
ملتِ اسلامیہ کی عالمگیر برادری

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا۔ (القرآن)
سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو

اسلامی دنیا کا تعارف

مراکش اس کا سرکاری نام مملکۃ المغربیہ ہے۔ اسکی تاریخ شمالی افریقہ میں سب سے زیادہ شاندار ہے۔ فارس، کلناس اور مراکش کے شہر اپنی تاریخی عظمت کے لحاظ سے اسلامی دنیا کے ممتاز ترین شہر ہیں۔ فارس میں جامع قرویین ہے۔ جو ازہر کے بعد دنیا کا سب سے پرانا مدرسہ ہے۔ مراکش میں جامعہ کتبیہ ہے جس کا مینار اسلامی دنیا کا سب سے بلند مینار ہے۔ قرون وسطیٰ کا سب سے بڑا سیاح ابن بطوطہ مراکش کے شہر طنجہ ہی کا رہنے والا تھا۔ جدید مراکش میں اس کے باعظمت ماضی کی جھلک نظر آتی ہے۔ مراکش ۲ مارچ ۱۹۵۶ء کو آزاد ہوا۔ اور اگرچہ یہاں آئینی بادشاہت قائم ہے۔ لیکن یہ بادشاہت اسلامی دنیا کی دوسری بادشاہتوں سے زیادہ جمہوریت پسند ہے۔ مراکش وہ خوش قسمت عرب ملک ہے، جہاں لبنان کے بعد جمہوریت سب سے زیادہ کامیاب ہے۔ اسوقت اسکے حکمران جنیب بوقیبہ ہیں۔

مصر دنیائے عرب کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور طاقتور ملک ہے۔ اپنی امتیازی حیثیت کے بل پر عربوں کی قیادت کا خود کو واحد حقدار سمجھتا ہے۔ اور عرب اتحاد کا منادی ہے۔ ۲۶ جولائی ۱۹۵۲ء میں شاہ فاروق کی جلاوطنی سے جمہوریہ بن گیا ہے۔ کچھ عرصہ قبل شام نے مصر سے الحاق کر لیا تھا۔ لیکن چند سال بعد یہ الحاق ختم ہوا۔ صدر ناصر کے دور میں کئی ٹھوس کام ہوئے۔ نہر سویز کو قومی ملکیت میں لیا گیا۔ بڑی بڑی زمینداریاں ختم کی گئیں اور صنعتی ترقی کی رفتار تیز تر ہو گئی۔ مصر میں اگرچہ فولاد سازی کی صنعت ترکی کے کافی بعد میں شروع ہوئی۔ لیکن اس وقت اسلامی دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ اور یہ توقع کی جاتی ہے۔ کہ مصر ۱۹۷۰ء تک ۲۲ لاکھ ٹن فولاد ہر سال تیار کرنے لگے گا۔ اسلحہ سازی کی صنعت نے بھی کافی ترقی کی ہے۔ دنیائے اسلام کی قدیم اور بڑی اسلامی یونیورسٹی جامع ازہر یہاں قائم ہے۔ دارالخلافہ قاہرہ اسلامی علوم و ثقافت

کی اشاعت کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اس وقت صدر ناصر کی ذات استعمار دشمن حلقوں میں مقبول اور بعض حلقوں میں متنازعہ شخصیت بن چکی ہے۔

صومالیہ مشرقی افریقہ کا واحد مسلم ملک۔ یکم جولائی ۱۹۶۰ء کو آزاد ہوا عظیم تر صومالیہ کی تشکیل کے لئے حبش اور کینیا کے ان علاقوں کا دعویدار ہے، جہاں صومالی باشندوں کی اکثریت ہے۔ بڑا حصہ بنجر ہے۔ بخورات خاص پیداوار ہے۔ مقدیشو دارالحکومت ہے۔ آبادی ۲۵ لاکھ کے قریب ہے۔ معیشت کا پورا انحصار بیرونی مالی امداد پر ہے۔ بیشتر حصہ امریکہ، اٹلی، برطانیہ اور روس سے آتا ہے۔ زرعی پیداوار میں کھانڈ کے لئے مکئی، گوند شامل ہیں۔ معدنیات کافی ہیں۔

چاڈ جھیل چاڈ کے نام پر جمہوریہ کا نام بھی چاڈ ہے۔ اگست ۱۹۶۰ء میں آزاد ہوا مسلمانوں کا تناسب ۵۵٪ ہے۔ صدر تومبل بائے عیسائی ہے۔ زرعی ترقی کے امکانات لامحدود ہیں۔ دارالحکومت فورٹ لامی ہے۔ آبادی تیس لاکھ ہے۔ شمال میں مسلمانوں کی کثرت ہے۔ اور جنوب میں غیر مسلم حبشیوں کی۔ پورا ملک چھوٹی چھوٹی زرعی بستیوں پر مشتمل ہے۔ اس کے شمال میں لیبیا مشرق میں سوڈان اور جنوب میں کانگو ہے ستمبر ۱۹۶۰ء میں اقوام متحدہ کا رکن بنا۔

الجزائر الجزائر کے لوگوں نے فرانسیسی سامراج کا جس دلیری سے مقابلہ کیا اس نے اس ملک کی چاردانگ عالم میں شہرت کر دی ہے۔ ۳ر جولائی ۱۹۶۲ء کو آزاد جمہوریہ بنا احمد بن باللہ پہلے صدر ہوئے۔ سوشلزم کی بنیاد پر ملک کی تعمیر کی جارہی ہے۔ اگرچہ مملکت کا مذہب اسلام ہے۔ الجزائر میں پٹرول اور لوہے کے وسیع ذخائر ہیں۔ جن کی بدولت توقع ہے۔ کہ یہ ملک جلد ہی ترقی کر جائے گا۔ الجزائر دارالحکومت ہے۔ اور عربی قومی زبان ہے۔ رقبہ ۸۰۳،۱۲،۱ مربع میل ہے۔ اور آبادی ۱۹۶۰ء کی مردم شماری کے مطابق ۰۰۰،۲۰،۱۰ ہے۔ آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ پچھلے فوجی انقلاب میں بن باللہ گرفتار ہوئے اور کرنل ہواری بومدین نے عنانِ حکومت سنبھالی۔

یمن جزیرہ نمائے عرب کا سب سے زیادہ زرخیز حصہ لیکن اسلامی دنیا کا سب سے زیادہ پسماندہ ملک ہے۔ ۲۷ر ستمبر ۱۹۶۲ء سے بادشاہت ختم ہو گئی ہے۔ اور یمن ایک جمہوریہ بن گیا ہے جس کے صدر اور وزیر اعظم عبداللہ سلال ہیں۔ شہر صنعاء دارالحکومت ہے۔ رقبہ ۰۰۰،۷۵ مربع میل ہے۔ اور آبادی ۱۹۵۰ء کی مردم شماری کے مطابق پچاس لاکھ کے قریب ہے۔ یمن زمانہ قدیم سلطنت سبا کا ایک حصہ تھا اور افریقہ اور ہندوستان کے درمیان عمدہ تجارتی راستہ تھا۔

امیرِ شریعت بطلِ اسلام سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمایا

حضرت امیر شریعتؒ کا وجودِ مسعود نیرنگئ شئونات اور جامعیت صفات و کمالات کے لحاظ سے بلا شبہ اللہ کی ایک نشانی اور دین کیلئے ایک حجت کی حیثیت رکھتا تھا۔ مدتوں اس بلبلِ رسولؐ کے نواہائے سحر انگیز اور نالہائے درد آفریں سے مردہ دلوں کی مسیحائی کا سامان ہوتا رہے گا۔ وہ ابرِ نیساں بن کر ملتِ مسلمہ کے سوکھے کھیتوں پر برسے اور اس کی گرج چمک سے باطل چکاچوند ہو کر رہ گیا۔ حال ہی میں لاہور سے "فرمودات امیر شریعتؒ" کے نام سے ایک کتابچہ شائع ہوا ہے جس میں حضرت شاہ صاحبؒ کے کچھ ملفوظات و ارشادات جمع کئے گئے ہیں۔ ذیل میں اس کتابچے سے چیدہ چیدہ ارشادات پیش کئے جا رہے ہیں۔
وہ اکابر جن کی ذات سے عشق و عزیمت کی بزم روشن اور حق کے لئے دار و رسن کی دنیا آباد تھی۔ اکثر چلے گئے کچھ رختِ سفر باندھے چراغِ سحری ہیں۔ قحط الرجال کا دور دورہ ہے۔ اور ناموسِ دین اور غیرتِ حق کی محفلیں اجڑ رہی ہیں۔ کاش جانے والوں کے درد انگیز نالوں اور درخشندہ کارناموں سے خوابیدہ دلوں کی دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھے۔ اور دینِ محمدیؐ کا وہ باغ جو ہر طرف سے صرصر و سموم کے نرغے میں ہے، پھر لہلہا اٹھے۔ "ادارہ"

★ —— میں ان سوروں کا ریوڑ بھی چرانے کو تیار ہوں جو برٹش امپیریلزم کی کھیتی کو ویران کرنا چاہیں۔ میں کچھ نہیں چاہتا ایک فقیر ہوں۔ اپنے ناناؐ کی سنت پر مرنا چاہتا ہوں۔ اور اگر کچھ چاہتا ہوں تو صرف اس ملک سے انگریزوں کا انخلاء۔ دو ہی خواہشیں ہیں میری زندگی میں، یہ ملک آزاد ہو جائے، یا پھر تختۂ دار پر لٹکا دیا جاؤں۔ میں ان علماء حق کا پرچم لئے پھرتا ہوں جو ۱۸۵۷ء میں فرنگیوں کی تیغِ بے نام کا شکار ہوتے رہتے۔ رب ذوالجلال کی قسم مجھے اسکی کچھ پرواہ نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ لوگوں نے پہلے ہی کب کسی سرفروش کے بارے میں اس تذ

سے سوچا ہے، وہ شروع سے تماشائی ہیں۔ اور تماشا دیکھنے کے عادی ہیں۔ اس سرزمین میں مجدد الف ثانیؒ کا سپاہی ہوں۔ شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان کا متبع ہوں۔ سید احمد شہید کی غیرت کا نام لیوا ہوں۔ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی جرأت کا پانی دیوا ہوں۔ میں ان پانچ مقدمۂ ہائے سازش کی پابہ زنجیر صلحائے امت کے لشکر کا ایک خدمتگار ہوں۔ جنہیں حق کی پاداش میں عمر قید اور موت کی سزائیں دی گئیں۔ ہاں ہاں میں انہی کی نشانی ہوں، انہی کی صدائے بازگشت ہوں۔ میری رگوں میں خون نہیں آگ دوڑ رہی ہے۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ میں قاسم نانوتویؒ کا علم لے کر نکلا ہوں۔ میں نے شیخ الہندؒ کے نقش قدم پر چلنے کی قسم کھا رکھی ہے۔ میں زندگی بھر اسی راہ پر چلتا رہا ہوں، اور چلتا رہوں گا۔ میرا اس کے سوا کوئی موقف نہیں۔ میرا ایک ہی نصب العین ہے۔ اور وہ برطانوی سامراج کی لاش کو کفنانا یا دفنانا ——— ہر شخص اپنا شجرۂ نسب رکھتا ہے۔ میرا بھی شجرۂ نسب ہے۔ میں سر اونچا کر کے فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں اس خاندان کا فرد ہوں ———

★ ——— میں دنیا میں ایک چیز سے محبت کرتا ہوں۔ اور وہ ہے قرآن مجھے صرف ایک چیز سے نفرت ہے۔ اور وہ ہے انگریز۔ میں سمجھتا ہوں کہ زندگی تجربوں اور مشاہدوں نے میرے ان دو جذبوں میں بلا کی شدت اور حرارت پیدا کر دی ہے۔ محبت و نفرت کے یہ دو داعیے ایسے ہیں کہ جن دماغوں میں ان کا سودا ہو ان کے لئے پابہ زنجیر ہندوستان میں جیلخانہ، زندگی کے سفر کا ایک ایسا موڑ ہے۔ جہاں کبھی طلب کے خیال سے رکنا پڑتا ہے۔ کبھی فرض کی کشائش لے آتی ہے۔ اور کبھی جستجوئے منزل کا تقاضا پہنچا دیتا ہے ———

★ ——— عقیدہ اور ایمان کی درستی بنیادی چیز ہے۔ اگر عقیدہ درست نہیں تو اعمال صالحہ کی عمارت سر بفلک کیوں نہ ہو، کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر عقیدہ درست ہے تو اعمال صالحہ کی ترقی تر و تازگی اور کامل ہونے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ اگر اعمال میں کمی ہو تو کمزوری رہنے کے باوجود جڑ سرسبز رہتی ہے۔ یوں سمجھو کہ عقیدہ جڑ ہے۔ تو درخت کے ہرا بھرا ہونے کی امید کی جا سکتی ہے۔ ورنہ بڑے سے بڑا درخت آگ کا ایندھن ہونے کے سوا کسی کام کا نہیں۔ اگر معمار نے بنیاد کمزور رکھی ہے۔ اور عمارت چہار منزلہ عالیشان بنا دی ہے تو برسات کی موسلا دھار بارش میں بنگلے کے اندر صاحب لوگ کانپتے رہیں گے۔ کہ کہیں عمارت زمین پر نہ آرہے۔ اور اگر بنیاد پختہ ہے۔ اور عمارت معمولی سی ہے کچی دیواریں ہیں۔ مگر اس کے اندر رہنے والا غریب کسان رات کو آرام کی نیند سوئے گا۔

عقیدہ عقد سے مشتق ہے۔ عقد کہتے ہیں گرہ باندھنے کو کسی بات پر دل میں مضبوط گرہ باندھ لی، یہی عقیدہ ہے۔ سو رسالت ختم نبوت اور ناموس صحابہؓ وغیرہ اور ایمانیات پر عقیدہ درست اور مضبوط رکھو اور پھر اللہ تعالیٰ سے حسن اعمال کی دعا مانگو ــــــ

★ ــــــ قرآن مجید سے متعلق شاہ جیؒ فرمایا کرتے تھے۔ کہ "میں قرآن مجید کے علاوہ کسی دوسری کتاب کو پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہوں۔ جو کچھ ہے قرآن وسنت میں ہے۔ اور جو کچھ اس کے باہر ہے۔ وہ باطل ہے۔ اور ایک باطل شے کے مطالعہ کے لئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اگر آج دنیا قرآن چھوڑ کر دوسری کتابوں کی طرف نگاہ کر سکتی ہے۔ تو میں کیوں نہ دوسری کتابوں سے روگردانی اور اپنا تمام تر توجہ قرآن پر مرتکز کروں۔ میں تو قرآن کا مبلغ ہوں۔ میری باتوں میں اگر کوئی تاثیر ہے۔ تو وہ صرف قرآن کی وجہ سے ہے۔ جو چیز مجھے قرآن سے الگ کر دے اسے آگ لگا دوں۔ ۱۹۵۰ء کی بات ہے۔ کہ مجلس احرار اسلام کی آل پاکستان کانفرنس منعقد ہوئی تو اس میں شاہ جیؒ نے فرمایا۔ "آج قاضی احسان احمد نے مجھے روس کی چھپی ہوئی کتاب دکھائی جس کا نام شاید استالن ہے۔ اور اس کی کتابت و طباعت کی دلفریبیوں اور دلکشیوں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ان اوصاف کے باوجود اس کی قیمت بارہ آنے ہے۔ میں کہتا ہوں کوئی کمال نہیں استالن کی اپنی حکومت اپنی سیاہی اپنا قلم اپنا کاغذ اپنا پریس اپنے ملازم و کارندے غرضیکہ اس سلسلہ کے تمام ساز و سامان اسے مہیا ہیں۔ وہ جو چیز جس طرح چاہے شائع کر سکتا ہے۔ اسے تو یہ کتاب دنیا کو مفت تقسیم کرنی چاہئے۔ استالن کا یہ کوئی کمال نہیں، کمال اور خوبی ملاحظہ کرنی ہو تو قرآن پاک کی تاریخ ملاحظہ فرما دیں۔ وہاں نہ قلم نہ دوات نہ کاغذ نہ پریس نہ عملہ نہ حکومت اور نہ ہی دنیاوی ساز و سامان جس کے بل بوتے پر قرآن کی اشاعت کا اہتمام کیا جا سکے۔ لیکن کمال ملاحظہ ہو کہ آج قرآن مجید کروڑوں انسانوں کے سینوں میں محفوظ ہے۔ میں دنیا کو چیلنج کرتا ہوں کہ قرآن مجید کے مقابلہ میں کوئی ایسی کتاب لائے جو آج تک اس سے زیادہ اشاعت پذیر ہوئی ہو اور اس سے زیادہ انسانوں کے سینوں میں محفوظ ہو۔" شاہ جیؒ فرمایا کرتے تھے۔ "اللہ کی کتاب کی بلاغت کے صدقے جائیے خود بولتی ہے کہ میں محمد پر اتاری گئی ہوں۔ بابو اسکی قسمیں نہ کھایا کرو۔ اسکو پڑھا کرو۔ سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی طرح نہ سہی اقبالؒ کی طرح ہی پڑھا کرو ــــــ دیکھا اس نے قرآن کو ڈوب کر پڑھا تو مغرب کی دانش پر ہلہ بول دیا۔ پھر اس نے قرآن کے سوا کچھ دکھایا ہی نہیں۔ وہ تمہارے تبکدہ میں اللہ اکبر کی صدا ہیں ــــــ

★ ——— فرمایا کہ صحابہ جمع ہے صاحب کی۔ صاحب کا معنی ہے ساتھی، اور قرآن پاک میں اذ یقول لصاحبہ میں صراحۃً حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آپ کا صاحب اور ساتھی فرمایا گیا ہے۔ اس سے بڑھ کر کونسی فضیلت ہوسکتی ہے، جو ابتداء سے ساتھ رہے۔ سفر میں ساتھ رہے۔ حضر میں ساتھ رہے۔ اور ساتھ رہے۔ حتیٰ کہ گنبد خضراء میں بھی ساتھ ہیں۔ یہی صحابہ تو کمائی تھے حضور صلعم کی۔ ان پر نکیر حضور پر بد اعتمادی اور ان کا اعتراف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا اعتراف ہے۔

★ ——— جلسہ میں ایک بریلوی خیال کے بزرگ تشریف فرما تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے ان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا یہ ہمارے بزرگ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آیا کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں جناب کہیں آیا کرتے ہوں گے۔ مگر پاکستان تو نہیں آسکتے۔ ایسی جگہ کون شخص آنا پسند کرے گا۔ جہاں اسکی بیویوں پر طعن کیا جائے۔ اس کے رفیقوں کو گالیاں دی جائیں اور اس کے سسرال کو برائی سے یاد کیا جائے۔ اور خود اس کی ناموس پہ حملہ کیا جائے۔ اس پر سب نے تحسین و آفرین کی ———

★ ——— تم میرے بارہ میں جو چاہو سوچو مسلمانوں کا یہ شعار ہوگیا ہے۔ کہ وہ برائیاں عقاب کی آنکھ سے چیتے اور صبا کی رفتار سے پکڑتے ہیں ——— کبھی کبھی نیکیوں پر بھی نگاہ ڈال لیا کرو۔ تمہاری تقریریں اس سے خوبصورت ہوتی چلی جائیں گی ———

★ ——— شاہ جیؒ عام طور پر فرمایا کرتے تھے: "نصف صدی اس ملک کے چپہ چپہ پر پھرا ہوں۔ میری قوم کی نفسانیت یہ ہے کہ یہ ڈنڈے والے کے آگے اور دولت والے کے پیچھے بھاگتی ہے۔

★ ——— امروہہ میں ایک عظیم الشان جلسہ میں حضرت شاہ صاحب کی تقریر ہونی تھی۔ جنگ آزادی میں احرار کا تعاون کانگریس سے تھا۔ مسلم لیگ نے تازہ بتازہ پاکستان کی تحریک پیش کی جس پر مسلم لیگ کی قیادت عملی سختی سے ڈٹی ہوئی تھی۔ دوسری طرف گاندھی جی نے کہہ دیا تھا۔ ملک کی تقسیم گئو ماتا کی بوٹیاں تقسیم کرنی ہیں۔ آزادی پسند مسلمانوں کو خدشہ تھا۔ کہ فریقین اسطرح ڈٹے رہے تو انگریز کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہوں گی۔ اس کا تو اصول ہی یہ تھا۔ (ڈیوائیڈ اینڈ رول) لڑاؤ اور حکومت کرو۔ ممکن ہے اس سے فرنگی کی غلامی کی عمر دراز ہو جائے۔ بہر حال جمعیت علماء ہند پنجاب کی مجلس احرار اور سرحد کی سرخپوش جماعت نے، اور سندھ و بلوچستان کی اور بعض دوسری جماعتوں نے لیگ کے مطالبہ کے مقابلہ میں کانگریس کا ساتھ چھوڑنا خطرات سے خالی نہ

سمجھا ان کی آزادی میں وطن کی قیمت ہر دوسری چیز سے زیادہ تھی۔ ان کے سامنے آزادیٔ وطن کے اندر عالم اسلام کی آزادی پنہاں تھی۔ لیکن مسلمانوں کی رائے عامہ دن بدن مسلم لیگ کے حق میں ڈھلتی رہی۔ تنگ نظر ہندوؤں اور اقتصادی طور سے مسلمانوں کو پیسنے والے بنیوں کا طرزِ عمل مسلم لیگ کے نظریہ کو کامیاب بناتا رہا تھا۔ اسی وجہ سے انگریز کے خلاف پروپیگنڈے سے زیادہ ہندوؤں کے خلاف پروپیگنڈے کا اثر مسلم عوام پر پڑتا جا رہا تھا۔ رام لیلا کے جلوسوں اور مسجد کے سامنے باجہ بجانے پر ہندو مسلم فسادات کی وجہ سے مسلمان ہندوؤں کے خلاف مشتعل بھی جلد ہی ہوتے تھے۔ بہر حال غالب مسلم رائے مسلم لیگ کے حق میں ہو گئی تھی۔ مخالفت کے اس طوفان کے زمانہ میں امروہہ میں جلسہ تھا، ہزاروں مسلمان حضرت شاہ صاحبؒ کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ مخلوق خدا جمع ہے۔ مجمع بے انتہا مشتعل ہے۔ اس مشتعل مجمع میں کسی نے ایک اشتہار بھی تقسیم کر دیا جس میں حضرت شاہ صاحبؒ پر یہ بہتان باندھا گیا تھا کہ علماء کی پگڑیوں سے گاندھی کی لنگوٹی کا درجہ بڑھا ہوا ہے۔ اس اشتہار نے جلتی پر تیل کا کام کیا، اشتعال اور زیادہ ہو گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اسٹیج پر آئے۔ اتنے میں دفعہ مجمع میں سے ایک شخص نے آواز دی پکڑ کر قتل کر دو۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے نہایت سکون واطمینان سے فرمایا کہ یہ کہنے والا شراب پی کر آیا ہے۔ لوگوں نے اسکو سونگھا واقعی شراب کی بو تھی۔ یکایک امیر شریعت زندہ باد کے نعرے لگنے شروع ہو گئے۔ اور پھر شاہ جیؒ نے جو کہنا تھا کہا۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے کہ عمر بھر میں یہ دو مواقع ایسے پیش آئے ہیں۔ کہ میں حیران تھا کہ کہوں اور کیا نہ کہوں۔ ایک تو یہی امروہے کا واقعہ تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے غیبی مدد فرمائی ——— شاہ جیؒ کی گرفتاری کے وارنٹ نکل چکے تھے۔ پولیس آپ کے تعاقب میں تھی کہ آپ نے امروہہ میں تقریر کر ڈالی اور پھر دہلی جانے کے لئے ٹرین پر سوار ہو گئے۔ سی آئی ڈی آپ کے ساتھ سائے کی طرح لگی ہوئی تھی۔ جب گاڑی غازی آباد کے اسٹیشن پر پہنچی تو چیکر نے آکر آپ کا ٹکٹ چیک کیا اور چلتا بنا۔ آپ نے "من خوب می شناسم" کہا اور وہاں اتر گئے۔

★ ——— علی گڑھ کا اسٹیج حریت پسندوں اور انگریز دشمن افراد کے لئے نہ تو سازگار ہی تھا اور نہ اس نوع کے افراد کو اس سٹیج سے خطاب کرنے کا موقعہ ملتا۔ عموماً مسلم لیگی لیڈر ہی یہاں جلوہ افروز ہوتے تھے۔ لیکن یونیورسٹی کی "مہذب" فضا کہنہ مشق مقرروں پر بھی فقرے چست کر کے ان کی تقریروں کو ناکام بنا ڈالتی تھی۔ ایک بار جب شاہ جیؒ کو بھی اس اسٹیج سے تقریر کرنے

کی دعوت دی گئی تو لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ اور مشورے بھی دیئے جانے لگے۔ کہ شاہ جیؒ ذرا سنبھل کر بولنا" چنانچہ شاہ جی اپنی خطیبانہ شان سے سٹیج علی گڑھ یونیورسٹی پر آئے۔ خطبہ مسنونہ پڑھا اور فوراً یوں مخاطب ہوئے۔ "جب میں یوپی کی سرزمین میں پہنچا تو میں نے اکثر لوگ ایسے دیکھے جو کالی اچکن اور سفید پاجامے پہنے ہوئے تھے۔ مگر سروں پر انگریزی ٹوپی ہیٹ اور گلوں میں نکٹائیاں لٹک رہی تھیں۔ تو میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں غاصب یورپ کی سرزمین میں پھر رہا ہوں۔ یا کہ غلامی کی زنجیروں سے گلو خلاصی حاصل کرنیوالوں کی سرزمین میں آیا ہوں۔ تو یکایک میرے ذہن نے میری یاوری کرتے ہوئے بتایا کہ ان کے جسم تو آزادی کے پرستاروں میں پلے ہیں۔ لیکن اذہان یورپ کے لطف وکرم کا نتیجہ ہیں ـــــ

★ ـــــ آغا شورش کاشمیری نے عرض کیا "شاہ جی! زمانہ بہت بڑھ چکا ہے۔ اپنے بچوں کو انگریزی مدرسوں میں داخلہ دے دیں۔ انگریزی کے بغیر تعلیم مکمل نہیں ہوتی۔ زمانے کا تقاضا ہے۔" فرمایا بابا مجھے معاف رکھو میں اس زمانہ کا آدمی نہیں تم مجھے محمد قاسم نانوتویؒ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن زیدی کی روحوں سے بغاوت کرنے کی ترغیب دیتے ہو۔؟ یہ کیوں نہیں کہتے کہ تمہارے بچے مرجائیں یا اپنے ہاتھوں بچوں کو قتل کر دو۔ پھر لعنت بر پدر فرنگ کا قلندرانہ نعرہ لگایا۔ بعض اوقات تو موڈ میں آکر یہ نعرہ اس زور سے بلند کرتے تھے کہ در و دیوار گونج اٹھتے ـــــ

★ ـــــ احباب کے درمیان شاہ جی بیٹھے ہوئے تھے موضوع سخن سائنس کی ترقی کا تھا۔ ایک دوست نے کہا شاہ جی سنا ہے روس کی کتیا واپس آگئی ہے۔ شاہ جی نے فرمایا کہ" بھائی شکر کرو کہ تمہاری عزت و ناموس رہ گئی ورنہ اوپر والی مخلوق کو یہی گمان ہوتا کہ نیچے ایسی ہی مخلوق بستی ہے ـــــ

★ ـــــ شاہ جی نے ایک دفعہ اسلامی نظام کی خوبیوں میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔ "بعض معترض ہیں کہ آج کل اسلامی نظام فٹ نہیں بیٹھتا۔ ایک مثال پیش کی کہ ایک ماہر درزی نے جسم کے اعضاء اور تناسب کا لحاظ رکھتے ہوئے قمیض تیار کی، پہننے والے کو فٹ آگئی بعد میں اسے تشنج ہو گیا، اعضاء کا تناسب جاتا رہا۔ ایک ہاتھ آگے کو لمبا ہو کر اکڑ گیا دوسرا پیٹھ کی طرف مڑ گیا۔ ایک ٹانگ ٹیڑھی اور دوسری چھوٹی ہو گئی، پیٹ کبڑی اور چھاتی اندر کو گھس گئی۔ ان حالات میں وہ قمیض میں عیب ڈھونڈتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ یہ فٹ نہیں۔ اور پھر درزی پر بھی معترض ہے کہ اس نے صحیح نہیں بنائی۔ اب آپ ہی بتائیں۔ کہ قمیض فٹ نہیں کہ یہ منحوس خود ان فٹ ہو گیا ہے۔ تمہارے منہ

کا ذائقہ صفراوی بخار سے تلخ ہو چکا ہے۔ تم کو میٹھی چیز بھی کڑوی لگتی ہے۔ یہ دوا اور غذا کا قصور نہیں تمہارے منہ کے ذائقہ کی خرابی ہے۔ انسان اپنی فطرت کے مطابق رہنا اور جینا چاہے، تو اسلام سے بہتر کوئی نظام حکومت اور ہدایت نامہ نہیں ہو سکتا۔

★ —— اسلامیہ کالج لاہور کے طلباء نے کہا شاہ جی کالج میں ڈاڑھی رکھ کر جانا مشکل ہے۔ فرمایا ہاں بھائی اسلامیہ کالج میں مشکل ہے۔ خالصہ کالج میں آسان ہے۔"

★ —— شاہ جی فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہمارے ہاں نوجوانوں کا عجیب مزاج ہو گیا ہے۔ بلکہ فطرت —— جو لڑکا میٹرک فیل ہوتا ہے یا ٹاٹا شوز کمپنی میں سیلز مین ہو جاتا ہے۔ یا سی آئی ڈی کے ملائکہ مقدسین کا انفارمر بن کر ٹاپتا پھرتا ہے۔"

★ —— ایک بار ارباب حکومت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہم پر اعتماد کرو اختلاف کا زمانہ گذر گیا ہے۔ اب اعتماد کے بغیر کام نہ چلے گا۔ مجھے اپنی بیوی پر اعتماد ہے کس اطمینان سے اسے گھر چھوڑ کر یہاں آگیا ہوں یہ جو اپنی بیویوں کو اپنی بغلوں میں دبائے مال روڈ پر ساتھ پھر رہے ہیں۔ ان کو اعتماد نہیں ہے۔ سارا جلسہ زعفران زار بن گیا۔

★ —— شیطان نے کتنی جرأت کا ثبوت دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو نہیں مانا اور آخر تک نہیں مانا ابدی لعنت کو قبول کیا۔ مگر منافقت نہ کی۔ اگر اسکو ہم مشورہ دیتے کہ کم بخت نہیں مانتا آدم کو دل سے نہ سہی ظاہراً تو سجدہ کردے۔ مقابلہ کر کے کیوں جہنمی بنتا ہے وہ کیا کہتا یہی تو جواب دیتا کہ جہنم منظور ہے۔ مگر منافقت نہیں ہو سکتی اگر وہ باطل کے لئے اتنی صلابت و استقامت کا ثبوت دے تو ہم حق کے لئے کیوں نہ دیں۔

★ —— ایک دفعہ شاہ جی اور شیر سرحد مولانا غلام غوث ہزاروی مدظلہٗ بالاکوٹ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے مزار پر حاضر ہوئے تو شاہ جی نے غمگین ہو کر اور حسرت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ محدث پیدا ہوئے عالم پیدا ہوئے اولیاء آئے مگر اسمٰعیل شہید نہ پیدا ہوا اور نہ ہوگا۔

★ —— میں نے جو کچھ کیا اللہ اور اس کے رسول کے لئے کیا۔ مجھے ایک لحظہ کیلئے بھی اپنی کسی حرکت پر ندامت نہیں، میرا دماغ غلطی کر سکتا ہے۔ لیکن میرے دل نے کبھی غلطی نہیں کی، مجھ سے زیادہ وفاداری کا ثبوت مانگنے والے پہلے اللہ اور اس کے رسول کو وفاداری کا ثبوت دیں۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں جو انسانی ضمیر کی سوداگری کرتے ہیں۔ میں اس شخص کو دھوپ چھاؤں کی اولاد سمجھتا ہوں جو قوم کو بیچتا پھرتا، ملک سے غداری کرتا اور جس ہنڈیا میں کھاتا ہے۔ اسی میں چھید

ڈالتا ہے۔ میں نے صرف ایک اللہ کے سامنے جھکنا سیکھا ہے۔ میں ان لوگوں کا وارث نہیں جنہوں نے درباروں کی دہلیزیں چاٹی ہیں۔ میں ان کا وارث ہوں جو شہادت کے رستہ میں سروں کو ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں ——

★ —— ایک ہے قوم کی نمائندگی اور وہ بہت سہل ہے۔ قوم جو چاہے جدھر چاہے اسی طرف سے چلو تم آگے ہو جاؤ یہ نہ دیکھو کہ خیر کی طرف جارہی ہے یا شر کی طرف وہ تمہارے پیچھے ہو جائے گی۔ اور زندہ باد کے نعرے ہوں گے۔ یہ بہت آسان ہے مگر خیانت ہے۔ اور ایک ہے قوم کی رہنمائی جس طرف خیر ہو اور قوم کا منہ شر سے ہٹا کر اس طرف پھیرنا یہ بہت مشکل کام اس میں مردہ باد کے نعرے بھی سننے پڑتے ہیں۔ کیونکہ اس میں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے۔ اور اگر قوم شر کی طرف جارہی ہے تو وہاں سے ہٹا کر خیر کی طرف موڑنا ہے۔ ہم لوگ رہنمائی کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے مخالفت بھی جھیلنی پڑتی ہے ——

★ —— شاہ جیؒ نے فرمایا (بحوالہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نبیرہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ) علماء اسلام کی پولیس ہیں ان کا فرض ہے۔ کہ قانون کا احترام کرائیں۔ اہل حال بزرگوں کو جو کچھ کہنا ہے، اپنے تک محدود رکھیں اگر وہ کھلم کھلا قانون اسلام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوں گے تو ہم انہیں پکڑ لیں گے۔ خواہ وہ عدالت میں چھوڑ ہی جائیں۔

★ —— معمار کا کام عمارت بنا دینا ہے۔ عمارت بنانے کے بعد وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ پھر اس عمارت میں بسنے والوں پہ اسکی حفاظت اور دیکھ بھال کی ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے۔ یوں سمجھو کہ معماروں نے گھر بنایا، عمارت کھڑی کردی کچھ دروازے اور الماریاں باقی تھیں، لپائی بھی ادھوری تھی کہ اتنے میں ہنگامہ برپا ہو گیا کہ جلدی کرو مکان خالی کرو بیگمات آگئیں معماروں نے جلدی سے اوزار ہتھیار سنبھالے اور اپنی راہ لی۔ بیگمات عمارت میں گھس تو گئیں مگر کمروں الماریوں اور دوسری ضروریات کی تقسیم میں گتھم گتھا ہو گئیں ایک دوسرے کے بال نوچنے لگیں۔ وہ شور برپا ہوا کہ خدا کی پناہ۔ وہی حال ہمارے ملک کا ہے۔ ہم نے انگریزوں کو نکالا اہل ملک کے لئے عمارت کھڑی کردی ہم نے بنگلوں میں نہیں رہنا تھا۔ ہم تو معمار کی طرح قوم کے مزدور تھے۔ مگر بیگمات نے آنے میں جلدی کی ورنہ یوں جوتیوں میں دال نہ بٹتی ——

★ —— شاہ جیؒ اپنے اکابر کی طرح انگریز کی دھوکہ دہی اور بازفطرت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے انگریز کی فطرت کا خمیر سانپ کے زہر سے اٹھایا گیا ہے۔ اور اپنی غذا کے لئے

اسے انسانی خون کی جو چاٹ پڑی ہوئی ہے، بڑی مشکل سے چھوٹے گی۔

★ ——— شاہ جی فرمایا کرتے تھے کہ ہندو قوم مسلمانوں کا کیا مقابلہ کرے گی جس کا خدا (گائے) مسلمانوں کی غذا ہے۔

★ ——— مولانا قاضی عبدالکریم امیر جمعیۃ العلماء اسلام کلاچی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم چند ساتھی شاہ جیؒ کی بیماری کے ایام میں دولت خانہ پر حاضر ہوئے تو احقر کے عرض کرنے پر کہ مزاج کیسے ہیں فرمایا: بھائی اب تو خدا کا فضل ہے۔ فلاں سنہ میں تکلیف زیادہ تھی۔ دن میں پچاس پچاس، اور ساٹھ ساٹھ دفعہ پیشاب آتا تھا۔ بس یوں سمجھئے کہ نبی بنتے بنتے رہ گیا۔ سو دفعہ روزانہ سے کم پیشاب کرنے والا آج کل نبی نہیں ہو سکتا۔

★ ——— ایک دفعہ شاہ جی دعا مانگ رہے تھے کہ دروازہ پر مانگنے والے نے صدا دی تو اپنے خالق حقیقی سے مخاطب ہو گئے کہا کہ میں تیرا سائل ہوں اور یہ تیرے بندے کا سائل ہے۔

★ ——— شاہ جیؒ خیر المدارس جالندھر کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے کہ ایک بھنگی صفائی کے لئے آیا۔ آپ اس وقت کھانا تناول فرما رہے تھے۔ بھنگی کو بلایا اور اس کے ہاتھ دھلائے پھر اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھایا اور اسے کہنے لگے کہ میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ اس غریب پر کپکپی طاری ہو گئی۔ تھر تھر کانپنے لگا۔ اور پیچھے سرکتے ہوئے عرض کی حضرت میں چوڑھا ہوں۔ شاہ جی نے محبت سے فرمایا " تو کیا چوڑھا انسان نہیں ہوتا " بھائی تم میری طرح انسان ہو آؤ مل کر کھانا کھائیں۔ یہ فرما کر آپ نے پانی کا ایک گلاس اس بھنگی کی طرف بڑھاتے ہوئے حکم دیا کہ لو پیو۔ اس نے دو چار گھونٹ پیئے، آپ نے اس کا بچا ہوا پانی خود نوش فرمایا۔ اب بھنگی کا احساس بیدار ہو چکا تھا۔ اور وہ احساس کمتری جو ورثہ سے چلا آرہا تھا، اس کا طلسم باطل ایک سید کے ہاتھوں ریزہ ریزہ ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے اندر تبدیلی محسوس کی اور شاہ جی کے ساتھ کھانے میں مصروف ہو گیا۔ شاہ جی کا اخلاص اور للہیت کام کر گئی۔ بھنگی کی کائنات میں زلزلہ آگیا۔ اسکی زندگی بدل گئی۔ ایک سید نے اپنے کردار سے اسے ایک روشن موڑ عطا کر دیا — چنانچہ وہ اس خوشی سے گھر جاتا ہے اور اپنی بیوی کو یہ واقعہ سناڈالتا ہے۔ بیوی بھی خوشی سے پھولی نہ سمائی اور کہنے لگی کہ جس دین کے ماننے والوں کا یہ حسن کردار ہے۔ اس کو کیوں نہ قبول کیا جائے۔ شام کو وہی نوجوان جو نسلی عیسائی تھا، اپنی بیوی کے ساتھ بخاریؒ کی قیامگاہ پر حاضر ہوا اور ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ شاہ جی یہ میری بیوی ہے اللہ کے لئے ہم دونوں کو کلمہ پڑھا کر دائرہ اسلام میں داخل فرمائیے۔ دوسرے ہی لمحہ یہ خوش قسمت

جوڑا اسلام کی نعمت سے سرفراز ہو چکا تھا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں میں دو انسانوں کا اضافہ ہو گیا تھا۔

★ ——— شاہ جی کا عقیدہ تھا کہ قدرت کبھی معاف نہیں کرتی۔ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ ان کی آنکھیں بہت کچھ دیکھ چکی تھیں۔ اور بہت کچھ دیکھ رہی تھیں۔ فرماتے برہنہ گفتن کا موقعہ نہیں ورنہ جو کچھ جہد آزادی کے دور میں ہوتا رہا۔ اور برطانوی سرکار نے خود کاشتہ خاندانوں کے لئے جو کچھ کیا یا ان خاندانوں نے برطانوی سرکار کے لئے جو کیا وہ روداد اتنی تلخ ہے۔ کہ عرش و فرش کانپ اٹھتے ہیں ———

★ ——— میں ہر شخص کو اپنا دوست سمجھتا ہوں الا فرزندانِ سلطنتِ برطانیہ اور ختم نبوت جو ان کا ساتھی ہے میرا ساتھی نہیں۔ جو میرا ساتھی ہے ان کا ساتھی ہو ممکن نہیں۔ عیب بینی میری فطرت کے خلاف ہے۔ جو لوگ دوسروں کے عیب تلاش کرتے ہیں، وہ اپنا ایمان ضائع کرتے ہیں۔ میں بدترین دشمن کے بارہ میں بھی سوچنا گناہ سمجھتا ہوں۔ کہ اس کے ننگ و ناموس پر حملہ کیا جاوے۔ پارسا کے عیبوں کی رسوائی ہو میں دعا دے سکتا ہوں۔ اور دعا دیتا ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ گمراہوں کو راہ راست پر لائے۔ اور جو حقیقت کی آلودگیوں سے دوچار ہیں۔ ان کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ ربِ کعبہ کی قسم میرے دل میں کسی شخص کے لئے ذاتی انتقام کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

مولانا محمد زمان ڈیروی فاضل دارالعلوم حقانیہ
مدرس بجم المدارس کلاچی

تنقید اور محاسبہ
جاء الحق وزھق الباطل

بخاری اور دیگر کتب حدیث پر
تمنا عمادی کے الزامات کی حقیقت

گذشتہ سے پیوستہ

کیا ابوعبداللہ الحاکم صاحب مستدرک شیعہ تھے؟

تمنا عمادی نے اپنی تحقیقات علمی کے دوران یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ابوعبداللہ الحاکم مستدرک کا ترجمہ لسان المیزان میں دیکھ لیجئے یہ شیعہ تھے۔ مگر خلفاء ثلاثہ کے مناقب کی حدیثیں بھی روایت کرتے تھے۔" (فکر و نظر ص۲۷۱)

سو اس کا جواب یہ ہے کہ مقالہ نگار خود تسلیم کر رہے ہیں۔ کہ وہ خلفاء ثلاثہ کی حدیثیں بھی روایت کرتے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ آپ شیعیت میں غالی نہ تھے۔ اور اسکی مزید تائید ابوبکر خطیب کے قول سے ہوتی ہے جسکو علامہ شمس الدین الذہبی ۷۴۸ھ نے تذکرۃ الحفاظ ص۲۳۰ ج۲ میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

قال الخطیب ابوبکر ابوعبد اللہ الحاکم	ابوبکر خطیب فرماتے ہیں کہ حاکم ثقہ تھے
کان ثقۃ یمیل الی التشیع	البتہ اس میں کچھ شیعیت کی طرف میلان تھا۔

یہاں تک کہ معرفۃ علوم الحدیث للحاکم کے شروع میں ڈاکٹر سید معظم حسین مصنف کا ترجمہ لکھتے ہوئے حاشیہ ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ مصنف کے حالات اور ترجمہ کے مآخذ مندرجہ ذیل کتب ہیں:
تذکرۃ الحفاظ ص۲۲۸ ج۲ وفیات الاعیان لابن خلکان ص۴۸۴ ج۱ طبقات لابن السبکی جلد ۳ ص۶۴ تا ۷۲
لسان المیزان جلد ۵ ص۲۳۲

پھر حاکم کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

تمسک الذھبی وابن السبکی برأی	امام ذہبیؒ اور ابن السبکی نے ابوبکر خطیب
ابی بکر الخطیب اذھو ثقۃ ضابط	کی رائے سے استدلال کیا ہے۔ اسلئے

لكن لا يدل ذلك قطعا على ميلانه
الى التشيع وتقديمه عليا على الشيخين
بل يستبعد تفضيله عليا على عثمان
رضي الله عنهما اذ له معارض اقوى
لا يقدر على دفعه فانه عقد بابا في
كتاب الاربعين لتفضيل ابي بكر وعمر
وعثمان رضي الله عنهم واختصهم من
بين الصحابة وقدم في المستدرك
عثمان رضي الله عنه .

کہ وہ ثقہ ہیں۔ لیکن یہ بات حاکم کے شیعی
ہونے اور حضرت علیؓ کو شیخین پر ترجیح دینے
پر ہرگز دلالت نہیں کرتی۔ بلکہ حضرت علیؓ کو
حضرت عثمانؓ پر فضیلت دینا آپ سے ناممکن
معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا قوی معارض
موجود ہے۔ چنانچہ آپ نے کتاب الاربعین
میں خلفاء ثلاثہ کی فضیلت پر مستقل باب قائم
کیا اور ان کو سب صحابہؓ میں سے مختص کر
دیا۔ اسی طرح مستدرک میں آپ نے حضرت
عثمانؓ کو (حضرت علیؓ) پر مقدم کیا ہے۔

اس کے بعد پھر نقل کرتے ہیں :

فمن يخرج مثل هذه الاحاديث التي تكاد
تكون نصا في خلافة الثلاثة وتفضيلهم
وافضلية عثمان هل يظن به التشيع
والرفض .

جو شخص ایسی حدیثیں اپنی کتابوں میں ذکر
کرے جو تقریباً تقریباً خلفاء ثلاثہ کی خلافت
اور ان کی فضیلت میں نص صریح ہوں اور ایسی
حدیثیں جن سے حضرت عثمانؓ کی فضیلت
ثابت ہوتی ہو۔ کیا ایسے شخص پر شیعی اور رافضی ہونے کا گمان کیا جاسکتا ہے۔

پھر فرماتے ہیں :

اذا نظرنا في هذا الرجل كما قال السبكي
وجدنا انه محدث ثقة لا يختلف
في ذلك وهذه العقيدة تبعد عن
المحدثين فان التشيع فيهم نادر
ثم اذا نظرنا في مشائخه الذين اخذ
عنهم العلم وجدناهم من كبار
اهل السنة ومتصلبين في عقيدة
ابي الحسن الاشعري الى قوله ثم نرى

جب ہم حاکم کے بارے میں نظر کرتے ہیں۔
جیسا کہ امام سبکی نے فرمایا تو ہم اس کے ثقہ
محدث ہونے میں کسی قسم کا اختلاف نہیں
پاتے اور شیعیت وغیرہ کا عقیدہ محدثین
سے بہت نادر اور بعید ہے۔ پھر جب
ہم آپ کے مشائخ وغیرہ میں نظر کرتے
ہیں۔ تو ان کو اہل سنۃ اور ابوالحسن الاشعری
کے عقیدہ کے مطابق پاتے ہیں۔ جس سے

الحافظ الثبت ابالقاسم بن عساکر اثبتہ فی عداد الاشعریین الذین یستبعدون اهل التشیع ویبرؤن الی اللہ عنھم۔	معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ اہل سنت میں سے ہیں ماس کے بعد ہم نے یہ بھی دیکھا کہ ابن عساکر نے آپ کو اشعریین میں شمار کیا ہے۔ اور اشعریین تو شیعوں سے دور بھاگتے ہیں۔

تو کیا مذکورہ دلائل سے یہ صاف ظاہر نہیں ہو رہا کہ آپ شیعہ نہ تھے۔ اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آپ شیعہ تھے تو نفس شیعیت کوئی جرح نہیں جبوقت تک اس میں تعصب اور غلو نہ ہو۔ مقالہ نگار خود تسلیم کر چکے ہیں۔ کہ آپ نے خلفاء ثلاثہ کے فضائل نقل کئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر بالفرض وہ شیعہ بھی تھے تو شیعیت میں غالی نہ تھے ـــــــ اور ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک نفس شیعیت کوئی جرح نہیں۔ یہ اگر مولانا موصوف جیسے "محدث" کے نزدیک جرح ہو تو اور بات ہے۔

اس کے علاوہ علامہ ابن حجرؒ نے جہاں لسان المیزان میں آپ کو شیعہ تسلیم کیا ہے۔ وہاں ساتھ ہی یہ بھی ذکر کر دیا ہے۔ کہ :

فاما صدقہ فی نفسہ فامر مجمع علیہ والحاکم اجل قدراً واعظم خطراً و اکبر من ان یذکر فی الضعفاء (لسان المیزان ص ۲۳۳ ج ۵)	حاکم کا فی نفسہ ثقہ ہونا یہ ایک متفق علیہ امر ہے۔ اور امام حاکم بڑی قدر وشان والے ہیں۔ اس بات سے کہ آپ کا ذکر ضعفاء لوگوں میں کیا جاوے۔

حدیث سیدا شباب اہل الجنۃ کے بارہ میں عمادی کی تلبیس

علامہ موصوف نے حاکم کو شیعی بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرما دیا کہ " اہل سنت تو کسی سے عناد نہیں رکھتے۔ اس نے حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ اور حضرت حسنینؓ کے مناقب میں جو حدیثیں شیعوں نے پیش کیں بسر و چشم قبول کر لیں۔ مثلاً الحسن والحسین سیدا شباب اہل الجنۃ خالص شیعوں کی حدیث ہے۔ اس کے راوی یزید بن ابی زیاد الکوفی ہیں۔ ان کے سوا کسی اور نے اسکی روایت نہیں کی ان سے کئی شخص روایت کرتے ہیں۔ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے۔ کان من ائمۃ الشیعۃ الکبار۔ مگر ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے۔ اس تصریح کے ساتھ اس حدیث کو یزید بن ابی زیاد ہی کی وجہ سے ہم جانتے ہیں " (فکر و نظر ص ۲۷)

لہ اسکی بحث بعد میں آئے گی۔

اس سے پہلے کہ یزید بن ابی زیاد کا ثقہ ہونا ثابت کریں یہ بیان کرنا ضروری ہے۔ کہ یہ حدیث خالص شیعوں کی کیسے ہے۔ ناظرین کرام اور اہل علم حضرات سے خصوصی گذارش ہے۔ کہ ترمذی صفحہ ۲۲۰/۲ پر اس حدیث کا معائنہ کریں کہ اسکی سند میں کون سے رواۃ ہیں۔ تاکہ محقق موصوف کی تلبیس اور بے انصافی واضح ہو سکے۔ چنانچہ حدیث مع سند کے مندرجہ ذیل ہے۔

حدثنا محمود بن غیلان نا ابوداؤد	امام ترمذیؒ بسند متصل ابوسعید خدری
الحضری عن سفیان عن یزید	رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ
بن ابی زیاد عن ابی نعم عن ابی	نے فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا
سعید قال قال رسول اللہ صلی اللہ	کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما جنت کے
علیہ وسلم الحسن والحسین سیدا	نوجوانوں کے سردار ہوں گے۔
شباب اهل الجنة۔	

مذکورہ بالا روایت امام ترمذیؒ چھ رواۃ کے واسطہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر رہے ہیں۔ اور یزید بن ابی زیاد کے علاوہ سب رواۃ کو تہذیب التہذیب میں دیکھ لیا جاوے۔ کسی ایک پر بھی شیعیت کی جرح نہیں ہے۔ بلکہ اکثر صحیحین کے رواۃ ہیں۔ چنانچہ محمود بن غیلان کا ترجمہ صفحہ ۶۴/۱۰ اور ابوداؤد الحضری کا ترجمہ صفحہ ۵۵/۷ اور سفیان کا ترجمہ صفحہ ۱۱۳/۴ اور ابن ابی نعم صفحہ ۲۸۶/۶ پر ملاحظہ فرمادیں۔ ان رواۃ کے ثقہ ہونے کی وجہ سے تو امام ترمذی نے اس حدیث کو حسنٌ صحیحٌ قرار دیا۔

تو سب سے پہلے علامہ موصوف کی یہ بات درست نہیں کہ یہ حدیث خالص شیعوں کی ہے۔ کیونکہ یزید بن ابی زیاد کے علاوہ کسی پر شیعیت کی جرح نہیں ہے۔

پھر محقق موصوف کا یہ کہنا کہ "ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے۔ اس تصریح کے ساتھ اس حدیث کو یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے ہم جانتے ہیں" امام ترمذی پر خالص بہتان اور افتراء ہے کیونکہ امام ترمذیؒ نے یزید بن ابی زیاد کی روایت کے متعلق یہ نہیں کہا کہ اس حدیث کو یزید بن ابی زیاد کی وجہ سے ہم جانتے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس امام ترمذی نے اس روایت کو ہذا حدیث حسن صحیح سے تعبیر کیا ہے۔

البتہ امام ترمذیؒ نے ایک دوسری روایت جو تفصیل کے ساتھ ترمذی صفحہ ۲۲۱/۲ میں ذکر ہے۔ اور اس کے متن میں سیدا شباب اہل الجنۃ ہے۔ اور وہ بواسطہ اسرائیل کے حضرت حذیفہ

سے منقول ہے۔ اس کے متعلق امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ ھذا حدیث لا نعرفہ الامن حدیث اسرائیل۔ (کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اس حدیث کو اسرائیل کی سند ہی سے ہم جانتے ہیں۔)

شاید محقق موصوف نے اصل کتاب دیکھی نہیں اور حافظہ سے یہ بات لکھ دی ہے۔ اس لئے ان کو یہ غلطی لاحق ہوگئی کہ جو امام ترمذی کی اسرائیل کی روایت کے متعلق کہی گئی بات تھی، مولانا نے یزید بن ابی زیاد کی روایت پر چسپاں کر دی۔ اسی طرح مولانا کا یہ کہنا کہ "اس کے راوی یزید بن ابی زیاد الکوفی ان کے سوا کسی اور نے اسکی روایت نہیں کی ان سے کئی شخص روایت کرتے ہیں" ایک حد تک صحیح نہیں کیونکہ اسرائیل کی روایت بواسطہ حذیفہؓ میں یزید بن ابی زیاد راوی بالکل نہیں۔ اور اس کے متن میں یہ جملہ ذکر ہے۔ اسی طرح ابن ماجہ صـ۱۲ میں یہ روایت دوسری سند سے مذکور ہے جو یہ ہے:

حدثنا محمد بن موسیٰ الواسطی	امام ابن ماجہ بسند متصل ابن عمرؓ سے
ثنا المعلی بن عبد الرحمٰن ثنا ابن	روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ
ابی ذئب عن نافع عن ابن عمر	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	حضرت حسن اور حسین جنت کے نوجوانوں
وسلم الحسن والحسین سیدا	کے سردار ہیں اور ان کے باپ
شباب اهل الجنة وابوهما	(حضرت علیؓ) ان سے بہتر ہیں۔
خیر منهما۔	

کاش! علامہ موصوف اصل کتاب کے مطالعہ اور مراجعت کے بعد اپنی جرح وتنقید کے شوق کو پورا فرماتے ؂

کمال است در نفس انسان سخن　　　تو خود را بگفتار ناقص مکن!

یزید بن ابی زیاد کی تعدیل

اس کے بعد علامہ موصوف کا یہ فرمانا کہ "یزید بن ابی زیاد کے متعلق تہذیب التہذیب میں یہ لکھا ہے۔ کہ کان من ائمة الشیعة الکبار۔

اس سے ہم انکار نہیں کرتے۔ لیکن یہ سوچنا ضروری ہے کہ کیا آپ کے ترجمہ میں اس کے سوا بھی کچھ ذکر ہے یا نہیں۔ جہاں یہ ذکر ہے، انہی اوراق میں آپ کے مندرجہ ذیل اقوال بھی موجود ہیں:

قال عثمان بن ابی شیبة عن	عثمان بن ابی شیبہ جریر سے نقل کرتے

جریر کان احسن حفظا من عطاء (تہذیب ج ۱۱ ص ۳۳۰)

ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا کہ یزید بن ابی زیاد حافظہ کے لحاظ سے عطار سے زیادہ اچھے ہیں۔

پھر ج ۱۱ ص ۳۳۱ پر فرماتے ہیں :

وقال یعقوب بن سفیان ویزید وان کانوا یتکلمون فیہ لتغیرہ فھو علی العدالۃ وان لم یکن مثل الحکم ومنصور

یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں۔ کہ یزید بن ابی زیاد میں اگرچہ لوگ اس کے تغیر ہونے کیوجہ سے اس میں گفتگو کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ عادل ہیں۔

اگرچہ اس کا درجہ امام حکم بن عتیبہ اور منصور کو نہیں پہنچتا۔

پھر فرماتے ہیں :

وقال ابن شاہین فی الثقات قال احمد بن صالح المصری یزید بن ابی زیاد ثقۃ ولا یعجبنی قول من تکلم فیہ ۔

ابن شاہین نے اپنی کتاب الثقات میں فرمایا کہ احمد بن صالح مصری فرماتے ہیں۔ کہ یزید بن ابی زیاد ثقہ ہیں۔ اور جو لوگ اس میں کلام کرتے ہیں۔ ان کا قول مجھے کچھ تعجب میں نہیں ڈالتا۔

الغرض جب یزید بن ابی زیاد میں اتنی صفات بھی موجود ہیں تو مولانا موصوف کو چاہیئے تھا۔ کہ وہ اس راوی کے متعلق ائمہ کے ان اقوال کو بھی نقل کرتے اور پھر نتیجہ اخذ کرتے تو بہتر ہوتا صرف جرح کا قول نقل کر کے تعدیل کے اقوال کو چھوڑ دینا قواعد جرح و تعدیل کی رو سے ہرگز ٹھیک نہیں اور تعصب باطن کا بین ثبوت ہے۔ مولانا عبدالحی اللکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ اپنی کتاب الرفع والتکمیل کے ص ۳۳ پر لکھتے ہیں :

وانما جوزت للضرورۃ الشرعیۃ حکموا بانہ لا یجوز الجرح بما فوق الحاجۃ ولا الاکتفاء مما علیہ نقل الجرح فقط فیمن وجد فیہ الجرح والتعدیل کلاھما من النقاد

یعنی جرح اور تعدیل کا جواز ضرورت شرعی کی وجہ سے ہے۔ اس لئے ائمہ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ ضرورت سے زیادہ جرح یا صرف جرح کا نقل کرنا اس شخص کے حق میں جس میں جرح و تعدیل دونوں

ولایجرح من لایحتاج الی جرحہ۔ موجود ہیں، جائز نہیں اور اسی طرح جو شخص جرح کا محتاج نہیں اس کو مجروح کرنا جائز نہیں۔ (علاوہ راوی نہ ہو)

اسی طرح یزید بن ابی زیاد کے ثقہ ہونے کی مزید تائید علامہ محمد محفوظ بن عبداللہ الترمسی کی کتاب "منہج ذوی النظر" کی مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتی ہے۔ اور یہی مضمون علامہ جلال الدین السیوطی نے مختصر الفاظ میں تدریب الراوی صفحہ ۵۲۱ پر بیان کیا ہے۔ منہج ذوی النظر کی عبارت یہ ہے:

وقال ابو الفتح تعرف الثقۃ بالتنصیص علیہ من راو او ذکر فی کتاب مؤلف ذکر (ای علم بانہ) اخرو الثقات ای لبیان ثقات الرواۃ ککتاب الثقات لابن حبان والعجلی وابن شاھین و غیرھم او تخریج ملتزم الصحۃ فی التخریج لہ کالبخاری ومسلم فی صحیحھما وان تکلم فی بعض من خرجالہ فلا یلتفت الیہ وکذا من خرج علی کتابیھما کابن خزیمۃ و نظائرہ۔

(منہج ذوی النظر ص۲۸)

ابو الفتح فرماتے ہیں۔ کہ کسی شخص کے ثقہ ہونے کی علامت کسی راوی کا اس کے ثقہ ہونے پر تصریح کرنا یا اس کا ذکر ایسی کتاب میں ہو جس میں صرف ثقات کا ذکر ہو جیسے کتاب الثقات ابن حبان یا عجلی یا ابن شاہین وغیرہم اور یا اس راوی سے ایسے لوگ تخریج کریں جنہوں نے اپنے اوپر ثقہ راوی سے روایت کرنا لازم کیا ہے جیسے امام بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں اگرچہ ان دونوں کتابوں کے بعض رواۃ پر کلام ہوا ہے۔ لیکن اس پر کوئی توجہ نہیں کی جائیگی۔ یا اس راوی کا ذکر ایسی کتاب میں ہو جس نے صحیحین پر استخراج کیا ہو۔ جیسے ابن خزیمۃ وغیرہ۔

مذکورہ بالا عبارت سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے۔ کہ جس راوی کا ذکر صحیحین یا ثقات ابن شاہین وغیرہ میں ہو تو وہ راوی ثقہ ہیں۔ تو یزید بن ابی زیاد صحیح مسلم کا راوی ہے۔ بلکہ تعلیق بخاری کا ہے۔ اور ابن شاہین نے آپ کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے۔ جیسے پہلے تہذیب التہذیب صفحہ ۳۳۱ ج ۱۱ کی عبارت نقل کر چکے ہیں۔

ساتھ ہی منہج ذوی النظر کی یہ عبارت کہ "وان تکلم فی بعض من خرجالہ فلا یلتفت الیہ" اسکی صاف دلیل ہے۔ کہ اس معمولی جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اگر یزید بن ابی زیاد کا ثقہ معلوم کرنا ہو تو مسلم ص۴ پر تفصیل ملاحظہ فرمادیں اس میں سے مختصر اقتباس پیشِ نظر ہے۔ امام مسلمؒ بہت سے ثقہ رواۃ کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ :

فاذا نحن تقصينا اخبار هذا الصنف من الناس اتبعناها اخبارا يقع في اسانيدها بعض من ليس بالموصوف بالحفظ والاتقان كالصنف المقدم قبلهم على انهم وان كانوا فيما وصفنا دونهم فان اسم الستر والصدق وتعاطي العلم يشملهم كعطاء بن ابي السائب ويزيد بن ابي زياد وليث بن ابي سليم واضرابهم من حمال الآثار ونقال الاخبار الى قوله الا ترى انك اذا وازنت هولاء الثلاثة الذين سميتهم عطاء ويزيد وليثا بمنصور بن المعتمر وسليمن الاعمش واسمعيل بن ابي خالد في اتقان الحديث والاستقامة فيه وجدتهم مباينين لهم لا يدانونهم.

امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ جب ہم اس اعلیٰ قسم کے لوگوں کی تتبع سے فارغ ہوئے تو اس کے بعد ایسے احادیث لائے جنکی سند میں ایسے لوگ ہیں جو پہلے قسم کے طبقے کے حفظ اور اتقان کے درجہ کو نہیں پہنچے سکتے۔ لیکن اس کے باوجود کہ وہ مرتبہ میں قسم اول کے مرتبہ سے کم ہیں۔ لیکن عدالت اور صداقت اور اہلِ علم ہونے کا وصف انکو ضرور شامل ہے۔ جیسے عطاء بن ابی السائب اور یزید بن ابی زیاد اور لیث بن ابی سلیم اور دوسرے اس درجہ کے احادیث نقل کرنے والے کیا یہ بات آپ کو معلوم نہیں کہ جب تین شخصوں یعنی عطاء یزید اور لیث کا مقابلہ اتقان اور تثبت حدیث میں منصور بن المعتمر سلیمن الاعمش اور اسمعیل بن ابی خالد کے ساتھ کریں تو آپ پہلے تین شخصوں کے مقابلہ میں کم پائیں گے اور ان کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔

اور شیخ الاسلام مولانا بشیر احمد صاحب عثمانیؒ فتح الملہم ص۱۱۶/۱ پر فرماتے ہیں۔

والمراد بالستر انه ليس فيهم ما ينافي العدالة والمروة فيما يبدو للناس.

اور ستر سے مراد یہ ہے۔ کہ ان میں ایسے چیزیں نہ ہوں جو عدالت اور مروت کے خلاف ہوں۔

تو مذکورہ بالا مسلم کی عبارت پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ یزید بن ابی زیاد فی نفسہ عادل

اور ثقہ ہے۔ البتہ منصور بن المعتمر کے درجہ کا ثقہ نہیں ہے۔ اور اس سے ہم بھی انکار نہیں کرتے۔ اور اس کا ذکر یعقوب بن سفیان نے اس جملہ میں کر دیا کہ " یزید قال کانوا یتکلمون فیہ لتغیرہ فھو علی العدالۃ وان لم یکن مثل الحکم ومنصور۔ (تہذیب۔ ص ۳۳۱ ج ۱۱)

مولانا موصوف نے یہ فرمایا تھا کہ تہذیب التہذیب میں لکھا ہے۔ " کان من ائمۃ الشیعۃ الکبار "۔ افسوس کہ مولانا نے اس قول کے قائل کا نام ذکر بھی نہیں کیا۔ تہذیب التہذیب ص ۳۲۹ ج ۱۱ میں یہ قول اس طرح نقل ہے، وقال علی بن المنذر عن ابن فضیل کان من ائمۃ الشیعۃ الکبار۔

تو معلوم ہوا کہ قائل محمد بن فضیل ہیں۔ اب خود اس کا ترجمہ مختصر طور سے حسب ذیل ہے:

قال حرب عن احمد کان یتشیع وکان حسن الحدیث۔ (تہذیب ص ۴۰۵ ج ۹)	حرب امام احمدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ محمد بن فضیل میں شیعیت تھی۔ البتہ اسکی حدیث اچھی ہے۔
وقال ابن سعد کان ثقۃ صدوقا کثیر الحدیث متشیعا وبعضھم لایحتج بہ وقال العجلی کوفی ثقۃ شیعی۔ (تہذیب ص ۴۰۶ ج ۹)	ابن سعد فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ صدوق اور کثیر الحدیث تھے۔ لیکن شیعی تھے اور بعض لوگ اسکو قابل حجۃ نہیں شمار کرتے۔ امام عجلی فرماتے ہیں کہ آپ ثقہ ہیں۔ لیکن شیعہ تھے۔

(باقی آئندہ)

احوال وکوائف دارالعلوم

حسب معمول صفر المظفر کے پہلے ہفتہ میں دارالعلوم کے سہ ماہی امتحانات شروع ہوئے جو تحریری اور تقریری شکل میں ایک ہفتہ تک جاری رہے۔ طلبہ نے کافی دنوں پہلے امتحانات کی تیاری شروع کی تھی۔ امتحانات کا نظم وضبط اور طلبہ کی نگرانی کا کام اساتذہ نے سنبھالا۔

۵-۶ جولائی کی درمیانی شب حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے مدرسہ عربیہ گجرات کے سالانہ اجتماع کی صدارت فرمائی اور مختصر خطاب فرمایا۔ اس اجتماع میں حضرت مولانا درخواستی صاحب مدظلہ اور دیگر عمائدین جمعیۃ العلماء نے بھی شرکت کی۔ ۴ ربیع الاول بروز جمعہ بعد از نماز عصر پشاور کی ایک تجارتی فرم کا افتتاح فرمایا۔ اس موقعہ پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے اپنی مختصر تقریر میں اسلام میں تجارت کی اہمیت اور اس کے بارہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات بیان فرمائیں۔ حاضرین کی اکثریت تجارت اور صنعت سے تعلق رکھنے والے حضرات کی تھی۔ ۶ ربیع الاول اتوار کی شب کو رسالپور چھاؤنی کی ایئر فورس (ہوائی افواج) کے اجتماع میں اور اس ضمن میں جہاد پر دو گھنٹے تک خطاب فرمایا۔

الحق کا ذکر خیر

معاصرین اور قارئین کے تاثرات

روزنامہ جنگ راولپنڈی

ماہنامہ الحق ، سالانہ چندہ چھ روپے ۔ فی پرچہ پچاس پیسے ۔ دفتر ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (ضلع پشاور) کے دارالعلوم حقانیہ کے اکابر کی نگاہ میں مرکز علوم دینیہ دارالعلوم دیوبند (بھارت) کا پاکستان میں قائمقام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس دارالعلوم کے چلانے کا سہرا حضرت مولانا مولوی عبدالحق صاحب مدظلہم کے سر ہے۔ جو نہ صرف یہ کہ خود اپنی ذات میں ایک انسائیکلو پیڈیا ہیں۔ بلکہ مجسم علم و عمل ہیں۔ علماء دیوبند کی نگاہ میں ان کا شمار بڑوں میں ہوتا ہے۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب کے جواں سال صاحبزادہ مولانا سمیع الحق صاحب کی ادارت میں تبلیغ حق اور نشر و اشاعت علوم اسلامیہ کی غرض سے یہ ماہنامہ پابندی کے ساتھ چل رہا ہے۔ جنوری ۱۹۶۶ء سے جون ۱۹۶۶ء تک کے تمام شمارے سامنے ہیں۔ ہر شمارہ کو دیکھنے کے بعد بے پڑھے رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ مضامین کی ترتیب اور چناؤ نہایت سلیقہ مندی سے کیا گیا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ، حضرت مولانا تھانویؒ، حضرت قاری محمد طیب، حضرت مولانا شمس الحق افغانی، حضرت مولانا عبدالحق، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، شیخ مصطفٰے السباعیؒ، حضرت شیخ اکبرؒ، مولانا عبداللہ درخواستی، حضرت امام العصر مولانا انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ اور قاری سعید الرحمٰن وغیرہم کے اسماء گرامی سے ہی مضامین کو پختگی اور بلندی کا انکار ممکن نہیں۔ الحق کو ایک دفعہ شروع کرنے کے بعد چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور مضامین کی عمدگی کے سبب بار بار پڑھنے سے بھی انسان کوفت محسوس نہیں کرتا۔ کیا ہی اچھا ہو اگر مولانا سمیع الحق صاحب اس ماہنامہ میں فقہی مسائل و فتاویٰ پر مشتمل ایک مستقل باب کا اضافہ کر دیں۔ اور اس میں دارالعلوم حقانیہ کے دارالافتاء کے فتاویٰ مستقل شائع فرمادیں۔ اللہ کرے کہ ہماری یہ بات شرف قبولیت حاصل کر پائے۔ آمین۔ ہم اس رسالہ کی خریداری کیلئے ہر دین پسند کو سفارش کرتے ہیں۔ ہماری نگاہ میں اس رسالہ کا باقاعدہ مطالعہ عالم، عامل بنانے میں حد درجہ معاون و مددگار ثابت ہوگا۔ (حافظ ریاض احمد اشرفی روزنامہ جنگ راولپنڈی ۲۶ جون ۱۹۶۶ء)

ہفت روزہ صدق جدید ۔ لکھنو

الحق سرپرست شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ۔ ۶۴ صفحات ، قیمت سالانہ چھ روپے فی پرچہ پچاس پیسے ایک دینی درسگاہ کا دینی و علمی ماہنامہ جو مذہبی ہونے کے باوجود خشک اور نرا مولویانہ نہیں ۔ خاصہ دلچسپ شگفتہ اور پر معلومات ہے ۔ پیش نظر نمبر (ذی الحجہ ۔ اپریل) میں مولانا شمس الحق حقانی (افغانی) کا

ضرورت دین پر خاص طور پر مغز نظر آیا۔ (مولانا عبدالماجد دریا بادی۔ صدق ۳، جون صفحہ ۶)

الحق یعلو ولا یُعلیٰ | بلاشبہ اکابر ملت اور اہل قلم کے یہاں الحق کی مقبولیت نے ثابت کر دیا کہ ۔

الحق یعلو ولا یُعلیٰ وَاَنَّ لہٗ — فخراً و فضلاً علیٰ کل المجلّات

فالحق حقٌ و نور — وعروۃٌ ثم حرزٌ فی المہمات

الحق کا اداریہ بھی ماشاء اللہ ثم ماشاء اللہ۔ تازہ شمارہ ماہ مئی ۱۹۶۹ء کے نقش آغاز میں مغربی پاکستان کے بچوں کی بہبود کونسل کی چیئرمین صاحبہ کی تجویز پر آپ کا نکتہ کتنا ہی قیمتی ہے۔ نیز رقص و سرود کی محفل کو تلاوت قرآن سے شروع کرنے پر آپ کا دینی اور آئینی طنز کس قدر خوب ہے۔ ع اللہ کرے حسن رقم اور زیادہ۔ مملکت پاکستان کے ان کارناموں کا دردناک پہلو یہ ہے کہ وہ ان معکوس ترقیوں پر فخر کرتی ہے۔ اور یہ نہیں سوچتی کہ ۔

کی مسلمان نے ترقی جو فرنگی بن کر — یہ فرنگی کی ترقی ہے مسلمان کی نہیں

(مولانا لطافت الرحمان مدرس دارالعلوم اسلامیہ سیدو شریف سوات)

بقیہ : تبصرہ کتب

امام غزالیؒ کے افادات پر مشتمل ہے۔ گھریلو زندگی کی تباہی اور بیوی بچوں کے بگاڑ اور اخلاقی خرابیوں کی جڑ تربیت اور دینی تعلیم کا فقدان ہے۔ اس رسالہ میں بچوں کی تربیت، طعام، لباس، سونے جاگنے، مجلس و کلام، بزرگوں کی تعظیم وغیرہ کے آداب بیان کئے گئے ہیں۔ اور عورتوں کی بعض رسومات کے بارہ میں غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کیا گیا ہے۔ فلم بینی اور فلمی گانوں کے اس وبائی دور میں امام غزالیؒ کا یہ ارشاد کتنا وقیع ہے کہ "بچوں کو عشقیہ اشعار اور عاشق مزاج شاعروں سے بھی محفوظ رکھیے۔ کیونکہ یہ بچوں کے دلوں میں فساد اور خرابی کا بیج بونے والی چیزیں ہیں"۔ یہ رسالہ خواہشمند حضرات ۶ پیسے کے ٹکٹ بھیج کر مذکورہ ادارہ سے مفت حاصل کر سکتے ہیں۔ ——— پتہ :- انجمن فلاح المسلمین کتب خانہ انوار الاسلام کاغذی بازار کراچی۔

حقوق الوالدین | از عبدالرزاق سلیمان کوڈوادی۔ صفحات ۱۶۔ والدین کے حقوق قرآن کریم اور احادیث کی روشنی میں سلیس اردو میں تحریر کئے گئے ہیں۔ یہ پمفلٹ بھی انجمن فلاح المسلمین کراچی کی طرف سے بغرض تبلیغ شائع کیا گیا ہے ——— انجمن فلاح المسلمین ان مفید دینی اور تبلیغی رسائل کی اشاعت پر ہر لحاظ سے مستحق تبریک و تحسین ہے۔

تبصرہ کتب

راہِ ہدایت

مؤلف مولانا محمد سرفراز خان صفدر۔ صفحات ۲۰۸۔ قیمت قسم اوّل دو روپیہ قسم دوم ایک روپیہ پچاس پیسے۔ ناشر ادارۂ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ———— مصنف کتاب ہمارے ملک کے بلند پایہ اور جانے پہچانے مصنف ہیں۔ کئی فقہی اور کلامی معرکۃ الآراء مباحث پر ان کے علمی و تحقیقی افادات شائع ہو چکے ہیں۔ پیشِ نظر کتاب میں مولانا موصوف نے بڑی تحقیق سے اور عرق ریزی سے معجزہ اور کرامت کا فعلِ خداوندی ہونا ثابت کیا ہے۔ اور یہ کہ انبیاء اور اولیاء کا اس کے صدور میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ معجزات اور کرامات امور اسبابی ہوتے ہیں۔ مافوق الاسباب طریق پر مختار مطلق و مختار کل اور تمام امور کا حقیقی متصرف صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ کتاب پانچ ابواب اور ہر باب کئی ذیلی اہم مباحث پر مشتمل ہے۔ باب اوّل معجزہ اور اسکی تعریف و حقیقت باب دوم قرآن کریم سے معجزات کا غیر اختیاری ہونا۔ باب سوم احادیث سے معجزات کا ثبوت، باب چہارم اثبات توحید و تردید شرک، باب پنجم مولانا حسین علی پر ایک بہتان کا جواب۔ اس ضمن میں معجزات اور کرامات کے بارہ میں جس غلو یا افراط و تفریط سے کام لیا جاتا ہے۔ کتاب و سنت اور ائمہ اہل سنت کی معتبر اور مستند عبارات سے ان غیر معتدل خیالات و نظریات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ اور اس ضمن میں توحید و تصرف باری تعالیٰ کا نکھرا ہوا تصور پیش کیا گیا ہے۔ امید ہے کتاب علمی اور کلامی حلقوں کے لئے کافی معلومات آفریں ثابت ہوگی۔

تقسیمِ وراثت مفصل
تقسیمِ وراثت مجمل

مرتبہ ملک بشیر احمد بگوی (بی ایس سی سول انجینیرنگ) صفحات ۲۱۲/۱۴۴ کاغذ سفید۔ قیمت ۵/- ، ۱/۵۰ ملنے کا پتہ:- انجمن خدام الدین شیرانوالہ گیٹ لاہور یا تعمیری کتب خانہ اردو بازار راولپنڈی۔

علم میراث کے موضوع پر اردو زبان میں پہلی منفرد اور جامع کتاب تقسیم وراثت کیلئے کئی ایک نقشے جو پوری عرق ریزی اور دماغ سوزی سے مرتب کئے گئے ہیں۔ ان سے ہزارہا مسائل حل کئے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اوّلاً نقشوں سے پورا تعارف ہو جائے۔ فاضل مؤلف نے اپنی تحقیق و فکر کی پوری متاع اس فنِ جلیل کی خدمت میں لگا دی اور حق یہ ہے کہ اس باب میں ایک جامع، مفید اور اچھوتا کام کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس سعی کو شرف قبول بخشے اور مسلمانوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ کتاب کو ملک کے علماء اور اربابِ فکر نے پسند کیا ہے۔ اور محکمۂ تعلیم راولپنڈی ریجن نے مدارس کیلئے منظور بھی کیا ہے۔ ہماری پر زور سفارش ہے کہ سکولوں اور کالجوں کے علاوہ عربی مدارس کے طلبہ بھی اسکا مطالعہ فرمادیں۔

اصلاح النساء و تربیتِ اولاد

کتابچہ عورتوں کی اصلاح کے بارہ میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور تربیتِ اولاد کے بارہ میں حجۃ الاسلام

(باقی ص ۶۱ پر)